

وَأَرْكَبُوا مَعَ الرَّاٰكِبِيْنَ

۳۰۳

اسلام میں

۱

امامت کا تصور

از

مولوی بدر الدین صاحب بدر جالندھری

ناشران

شیخ غلام علی اینڈ سٹریٹاجران کتب

BALNAB

لاہور

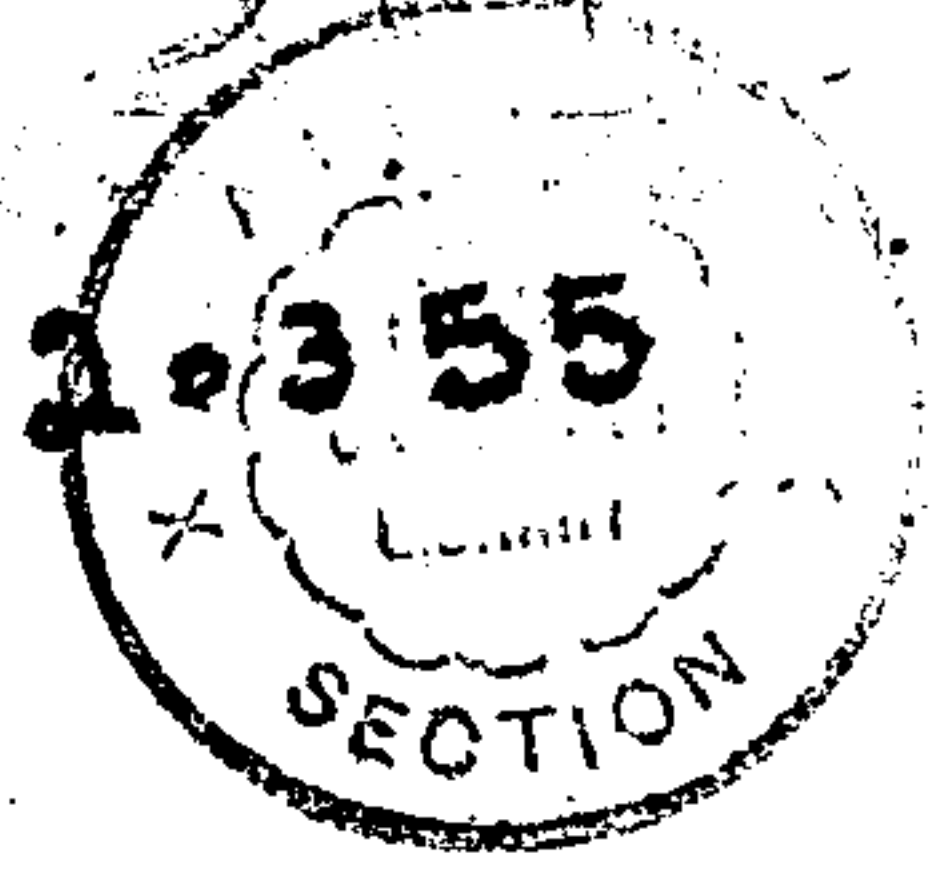
SECTION

U

۲۹۷۵۸۱

کتاب خانہ

جمہوریہ حقوق محفوظ



بار اول ۱۹۳۸ء

شیخ نیاز احمد پرنسپل پبلشر نے اتحاد پریس بل روڈ لاہور میں طبع کر کے
کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

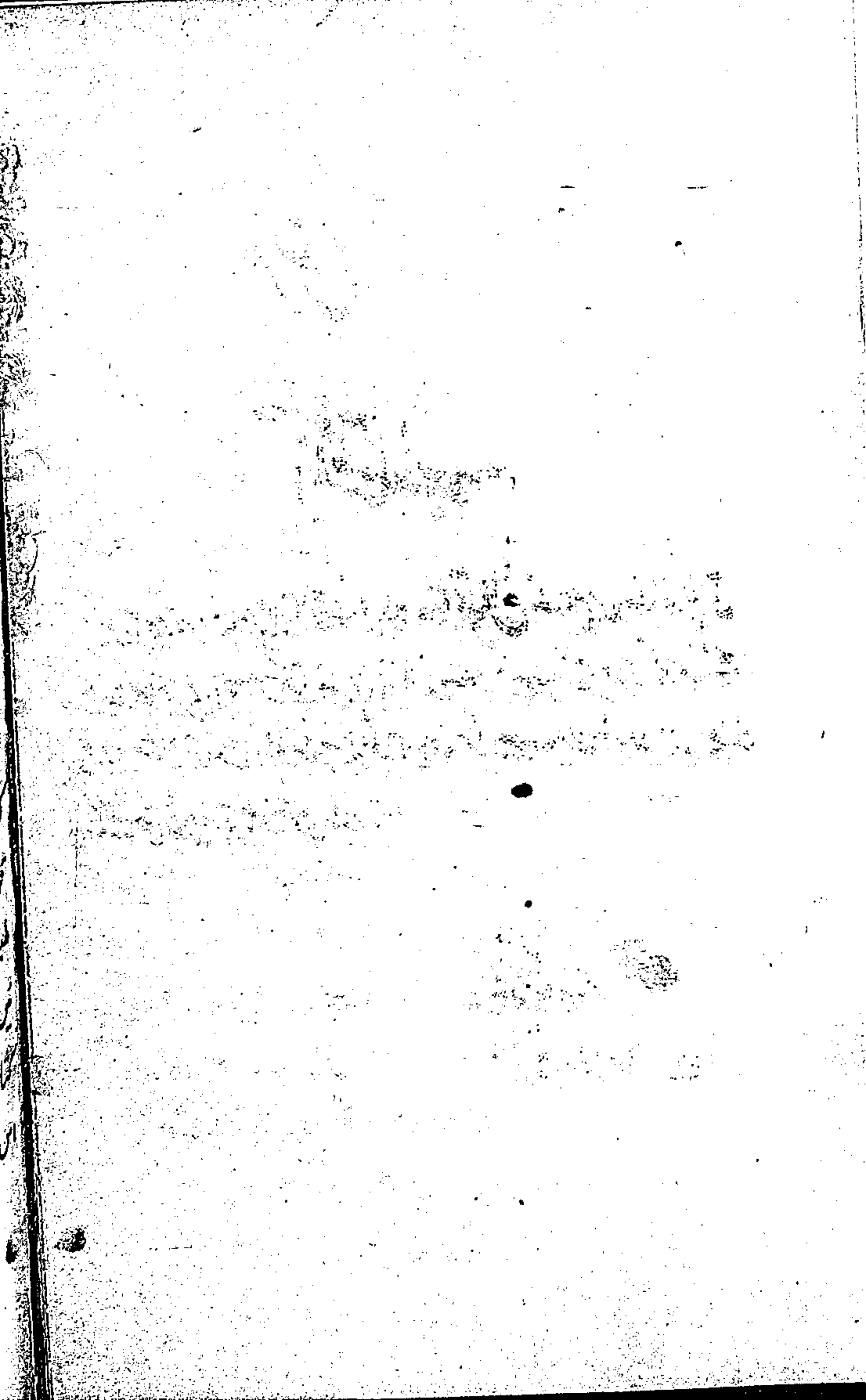
ایک روپیہ اجرت

فیصل آباد

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو علامہ اقبالؒ کے نام جن کے کلام کی روح جا بجا میری اس کتاب میں نمایاں ہے۔ منسوب کرتا ہوں کیونکہ آپ کے چیدہ اور منتخب اشعار نے جگہ جگہ چسپاں ہو کر میرے اس مضمون میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

خاکسار
پدر جالتدھری



عرض مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آخر آمد نہیں پر وہ تفسیر پدید!

پاکستان کے قیام کے بعد قوم کے تعمیری پروگرام کی تکمیل کا مسئلہ عام مسلمانوں کے زیر بحث ہے۔ اور کسی قوم کی فلاح و نجات کا تمام تر دار و مدار اس کی صحیح قیادت پر ہے۔ قائدین ملت و ائمہ مساجد کی رہنمائی کے لئے اردو زبان میں اس وقت تک کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود نہ تھی جو ان کی ضروریات کو کئی یا جزوی طور پر پورا کر سکے۔ لہذا میں نے انکی تمام ضروریات کو یکجا جمع کر کے قوم کی اس اہم ضرورت کو کسی حد تک پورا کر دیا ہے۔ اور نئی روشنی کے نوجوان طبقہ کے ذہن میں قیادت کا خالص اسلامی تصور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے میں امید کرتا ہوں کہ قائدین ملت کیلئے عملاً اور ائمہ مساجد کیلئے خصوصاً اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ بخش ثابت ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کو حسب استعداد اس ناچیز تالیف کے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہئے۔

ایں دعاؤں میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے۔ آمین!

خاکسار:۔ بدر جالتھری

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۷۹	امام کی ذمہ داری	۳		امامت کبریٰ	
۸۳	امام کی صفات	۴	۱۱	امامت کا مطلب	۱
۸۶	امام کی اطاعت	۵	۱۳	امامت کا مقصد	۲
۹۰	امام کی جماعت	۶	۱۷	امامت کا اثر	۳
۹۳	امام کی شرائط	۷	۲۰	امامت کی ضرورت	۴
۹۷	امام کے مقتدی	۸	۲۲	امامت کا انتخاب	۵
۱۰۱	امام کا خطبہ	۹	۲۸	امامت کی اہمیت	۶
۱۰۶	امام کی سروعزیزی	۱۰	۳۲	امامت کا انحصار	۷
۱۰۹	امام کا حسن سنوگ	۱۱	۳۷	امامت کا حصول	۸
۱۱۲	امام کا پیشہ	۱۲	۴۳	امامت کی صورت	۹
۱۱۵	امام کی صنعت	۱۳	۴۵	امامت کا انقلاب	۱۰
۱۱۸	امام کی تربیت	۱۴	۵۱	امامت کا عدم	۱۱
۱۲۱	امام کی ضروریات	۱۵	۵۶	امامت کی تعلیم	۱۲
۱۲۵	امام کا مدرسہ	۱۶	۶۶	امامت کی تکمیل	۱۳
۱۲۹	امام کا روزانہ پروگرام	۱۷		امامت صغریٰ	
۱۳۲	امام کا سالانہ پروگرام	۱۸	۷۱	مساجد کی اہمیت	۱
			۷۵	امام کا عہدہ	

امام کبریٰ

سین پر پھر پھر صد اقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائیگا تجھ سے کام، دنیا کی امامت کا!

امامت کا مطلب

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے

حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے!

امامت و قیادت دو مترادف لفظ ہیں۔ جن کے معنی سرداری یا Leader

ship - کے ہیں۔ اور امام کسی قوم کے پیشوا یا Leader کو کہتے

ہیں امامت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ امامتِ کبریٰ و امامتِ صغریٰ۔ کسی قوم

کی دینی یا دنیوی جملہ امور میں ہر قسم کی رہنمائی کرنا امامتِ کبریٰ کہلاتی ہے۔

اور کسی ایک چیز یا نماز کی امامت امامتِ صغریٰ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے

اسلام اور مسلمانوں کی تمام ضرورتیں امامت اور امام سے ہی پوری ہوتی ہیں۔

اور امامت کے بغیر مسلمانوں کی قوم جسدِ بے روح ہے آج مسلمانوں کی تمام تباہ کاریاں

اور بربادیاں محض اسی لئے ہیں۔ کہ امامت کا مقصد صحیح طور پر پورا نہیں ہو رہا۔ کیونکہ بہترین

امام کا نہ ہونا بسینکڑوں دینی و دنیوی برکات سے محرومی کا باعث ہے۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ کہتے و باغ اپنے زمانے کے ہیں پرورد

کسی مذہب کا حقیقی کمال صداقت یہ نہیں ہے۔ کہ وہ محض اخلاقی و روحانی اصولوں کو ایک کتابی صورت میں جمع کر کے اپنے متبعین کے حوالے کر دے۔ اور ان اصولوں کی پشت پر کوئی عمل کرنے والی قوت اور نظام حیات پیش نہ کرے۔ بلکہ حقیقی کمال یہ ہے کہ ان اصولوں کے حق میں ایک ایسی فضا بھی پیدا کر دے اور پھر ان مذہب کے ارد گرد اطاعت و فرمانبرداری کا ایسا مضبوط قلعہ بنا دے۔ کہ کسی حالت میں بھی وہ اس سے خارج نہ ہو سکیں۔

پس اگر کوئی مذہب اپنے اندر عمل کرانے والی طاقت نہ رکھے۔ اور پھر وہ مذہب پر کوئی خارجی اثر نہ ڈالے۔ تو وہ مذہب بیکار اور بے جان ہے۔ اور اپنے پیروکاروں کے لئے فلاح و نجات کا صحیح راستہ دکھانے سے قاصر ہے۔ لہذا مذہب کی زندگی کا راز صرف اسی بات میں ہے۔ کہ وہ اعلیٰ اخلاقی و روحانی اصول دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اور ساتھ ہی ان کے لئے ایک ایسی مستقل فضا بھی پیدا کر دے جس سے ہوسا سہی کا ہر فرد ان اصولوں کی پیروی کرنے پر طوقاً ڈکرا مجبور ہو جائے ان کی نشوونما کے لئے فضا اور زمین مہیا کرے۔ بدکرداری کے راستے میں روک لگائے اور پرہیزگاری کی راہیں کھول دے۔

پس اسلام کے نزدیک مذہبی حدود کی حفاظت کرنے والی اور اشخاص کو مذہبی احکام پر قائم رکھنے والی قوتیں اور خارجی مؤثرات و محرکات تین ہیں۔ اول حکومت، قانون اور پولیس۔ دوم مختلف قسم کی امیدیں اور خوف۔ سوم زندگی کا

عملی نظام اور پبلک رائے۔ ان ہر سہ محرکات میں سے امامت کا تعلق عموماً محرک
 حرم سے ہے جس طرح اسلام نے محرک اول و دوم کی نسبت نہایت شد و ہار کے ساتھ
 تعلیم دی ہے۔ اسی طرح محرک سوم یعنی اسلامی زندگی کے عملی نظام کے ضمن
 میں امامت و امام کے متعلق بھی منطقی ہدایات اور شواہد فرمائی ہیں۔

کھلا غرض امامت اور امام کیا ہے۔ وہ نظام ضابطہ اور حکمران جو مسلمانوں کے
 اور گروا طاعت خداوندی کا ایک مفید و قلعہ کھینچتا ہے۔ انہیں فرمانبرداری و
 اطاعت کے قلعہ میں محصور کرتا ہے۔ ان کو روحانی وابدی صحت کا پیالہ پینے پر
 مجبور کرتا ہے۔ اور سنن و فحور کی تمام ظلمات اور تباہ کاریوں کو دور کر کے ان کی
 اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے حرارت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ اور سادہ و فی الارض
 سے اپنے مقتدیوں کو روکتا ہے اور قوم کے متفرق افراد کو ایک مرکز پر جمع کر کے
 ان کی شیرازہ بندی کرتا ہے یہی شخص عرف عام میں امام کہلاتا ہے۔ اور اس کی
 تمام تر کارگزاری امامت و قیادت کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

مومن کیلئے موت ہے مرکز سے جدائی

ہو عبا حیب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی!

امامت کا مقصد

جو کہ فی جوہب انگیری محمدؐ کی غلامی کر

عرب کا تاج سر پر رکھو خداوندِ عظیم ہو گیا!

اسلام کی سب سے پہلی امامت بانی اسلام سرورِ کائنات حضرت محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ جس طرح دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب

اسلام ہے۔ اسی طرح دنیا کے سب سے بڑے امام سید الانبیاء خیر البشر رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے اپنے تئیں سالہ عہدِ نبوت میں قومِ ملک

اور انسانیت کیلئے جو تعمیری کام انجام دیا۔ اسکی نظیر تاریخِ عالم میں اور کہیں نہیں

ملتی۔ چنانچہ آپ نے دنیا کے جاہلوں کو عالم، ظالموں کو عادل، وحشیوں کو

مہذب، بد اخلاقوں کو با اخلاق، با اخلاقوں کو باخدا، غیر متمدنوں کو متمدن،

ڈاکوؤں کو پاسیان اور گڈریوں کو بادشاہ بنا دیا۔ امدادِ انتہائی نہیں۔ بلکہ ان

خوبیوں میں انہیں ساری دنیا کا امام بنا دیا۔ فقرِ ندلت سے اٹھا کر بامِ عروج تک

پہنچایا۔ غلامی کی مصیبت سے نجات دلا کر آزادی کا لطف چکھایا۔ قلاکت و ادب کے

گڑھے سے نکال کر خلافت یعنی شاہنشاہیت کے تخت پر بٹھایا۔ غرضیکہ ان کے ہر قبح کو تبدیل بہ حسن کر دیا۔ اور ان کی ہر قسم کی معنیت پر معصومیت کا رنگ چڑھا دیا۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ اس حیرت انگیز انقلاب کا سبب وحید فقط آپ کی صحیح قیادت تھی۔ جس کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر مخالفین کی آنکھیں خیر ہو گئیں۔ اور مقابلہ کی تاب نہ لاکر آخر آپ پر جادو کا الزام لگا دیا۔ مگر آپ کی پاک تعلیم نے لوگوں کے دلوں پر ایسا قبضہ جمایا کہ لاکھ جتن کرنے کے باوجود بھی وہ اٹھائے نہ اٹھ سکے۔ مگر آج سے

تا شعارِ مصطفیٰ از دستِ رفت

قوم را از مز بقا از دستِ رفت!

آپ کے نصابِ تعلیم کا تمام تر بار و مدار صرف خدا کی آخری کتاب قرآن پر تھا۔ جس کے ذریعے آپ نے عقیدہ توحید ذہن نشین کرنے کے بعد انہیں مساز بہ ذرہ۔ زکوٰۃ اور حج پر عمل کرایا۔ اور اپنی صحیح قیادت کے زیر اثر قرآن کے اس مختصر لائحہ عمل نے ان پر ایسا رنگ چڑھایا کہ ان کی فوج بے نظیر، ان کی اطاعت بے مثل، ان کا ایثار لاثانی، ان کے حج سراپا القادس، ان کی مساوات ضرب المثل، وہ محنت کے حادی، ہمشقت کے لہذا، بجوگ و بیاس سے مالوس، رات کو یاد الہی میں بیدار اور دن کو میدانِ مقابلہ کے شہسوار نظر آنے لگے۔

اسلام کی یہ قدر پرست منظم جماعت جس کا ایک ہی قبلہ، ایک ہی مرکز، ایک ہی امام، ایک ہی سردار، ایک ہی قول، ایک ہی فعل، ایک ہی صورت، ایک ہی مطلب اور ان ساری وحدوں کا ایک ہی مقصود خدائے وحدہ لا شریک ہے۔

✓ خدا بھی ایک، نبی بھی ایک اور اسلام بھی ایک

کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!

اگر اب بھی اس کی صحیح قیادت کی جائے اور امامت کا مقصد صحیح طور پر پورا کیا جائے تو اسلام کے ان پانچ ارکان میں آج بھی وہی پیغام حیات موجود ہے جس نے تمام دنیا کے تمدن میں ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اطراف و جوانب کی تمام بڑی بڑی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا تھا۔ کیونکہ جب یہ خدا پرست جماعت ایک دفعہ پھر اسی وحدت کا دین غیرت حاصل کر کے دنیا میں ایک نیا قدم اٹھائے گی۔ تو "إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ يُتُوبَا كَثْرًا" کے وعدہ کے مطابق لازمی طور پر خدائی طاقت ان کی مدد کیلئے آسماں کی زمین و آسمان کے خزانے ان کی خدمت کے لئے وقف کر دے جائیں گے۔ قوم کی مردہ رگوں میں زندگی کا تازہ خون دوڑنے لگے گا۔ محکوم قوم از سر نو حاکم بن جائے گی اور اس میں دست و گریبان ہونے والی قوم باہم بشیر و شکر ہو جائے گی۔ یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ سلطانی، انوثت کی جس نگیری، محبت کی فراوانی!

امامت کا اثر

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑ دوں گا!

پس جب یہ خدا پرست منظم جماعت کا مل اتحاد کے ساتھ باہمی اُلفت و
ایثار کے جذبات لے کر پھر ایک ہی امیر کے ماتحت ہو جائے۔ اپنی تمام تر کوششیں
ایک ہی مرکز اور ایک ہی مقصد کے ساتھ وابستہ کر دے، اور گھر سے کھا کر
اپنے امیر کے اشارے پر اپنی جان پر کھیلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور اپنے
تمام آئمہ مساجد کو اسی ایک امیر یا قائدِ اعظم کے ہمنوا بنالے۔ تو ان کی ہر مشکل
آسانی سے بدل جائے گی۔

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ نجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے، کوششِ ناتمام سے!

اور امام بھی نہ شخص ہو جس کے سینے میں وہی علم عرفان ہو۔ وہی غیرت و شجاعت
ہو جو سید المرسلین، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبقت اظہر میں تھی۔

اور وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے۔ نہ کسی کی پرواہ کرے۔ نہ کسی سے طمع رکھے۔ بات وہ کہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو پسند آئے۔ اور جس سے اسلام کا بول بالا ہو۔ مسلمانوں کا بھلا ہو۔ انہیں عزت و حرمت نصیب ہو۔ عدل و انصاف پھیلے۔ دنیا میں امن قائم ہو۔ حق سے سرکشی کرنے والے نیست و نابود ہوں۔ پھر ایسے امام کی خدا خود پشت و پناہ ہوگا اور "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ ط" کے وعدہ کے مطابق ہر معاملہ میں اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔

جب مسلمانوں میں یہ نظام پیدا ہو جائے۔ تو پھر یہ لوگ کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں رہ سکتے۔ جب یہ آزادی کے لئے قدم بڑھائیں گے۔ تو آزادی خود ان کے استقبال کے لئے آگے آئے گی۔ تمام مشکلات تبدیل بہ آرام ہو جائیں گی۔ ہر ایک مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ مردہ قوم زندہ ہو جائے گی۔ قوم کے بیکار افراد باکار نظر آئیں گے۔ مفلسوں اور محتاجوں پر خزان الہی کے دروازے کھل جائیں گے اور تمام قوم مالا مال ہو جائے گی۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سیر آدم ہے ضمیر کن نکال سے زندگی!

جس قوم کا ایسا امام ہو۔ وہ قوم اپنے آپ کو ایک قلعہ میں محفوظ سمجھتی ہے اور ایسا امام بمنزلہ ایک حکمران کے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے امام کی اطاعت سے

گریز کرے۔ اُسے حالِ کائناتِ سلام بجالانے سے جی چڑائے وہ باغی سمجھا جاتا ہے جو ہم بغاوتِ فردِ مومن کے بعد بھی ایک مدت تک اسے دنیا کی زندگی میں مہلت دیا جاتی ہے۔ اگر پیغامِ موت پلنے تک بھی وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے تو پھر جہنم کے جیلخانہ میں بھیجا جاتا ہے۔

پس اگر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اپنی اس سیزدہ صد سالہ تنظیم کی پھر تجدید کر لیں اور اپنے قائدِ اعظم کے اشارے پر پوری طرح چلنے لگ جائیں۔ اور ان کے تمام آئمہ مساجد صحیح معنوں میں سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہو جائیں جن کے خطبے میں جان ہو۔ ہر ایک فقرے میں تڑپ ہو۔ ایک ایک لفظ میں زندگی کا پیغام ہو۔ حاضرین کے دلوں کی تار ان کی پانچ انگلیوں میں ہو۔ جب اسے دبا لیں۔ جو آواز چاہیں نکلا لیں۔ کسی چھوٹے یا بڑے کو اس کی حکمِ عددی کی طاقت نہ ہو۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تمام طاغوتی اور مادی طاقتیں اس خدائی طاقت سے لرزہ بر اندام نظر آئیں گی۔ انہیں جرأت نہ ہوگی کہ اس منظم جماعت سے کلمہ لائیں۔ اور اپنی ہستی معرضِ خطر میں ڈالیں۔

وائے ناکامی متارح کارواں جسا نارہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیان جاتا رہا!

امامت کی ضرورت

سے بتانے لگے وہوں کو تو یہ کہتے ہیں کہ جو صاحب
نہ تو رانی ہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی!

اگر تمام نظام عالم پر سرسری نظر ڈالی جائے۔ تو جمادات، نباتات اور حیوانات
وغیرہ اس کے مختلف اجزاء نظر آتے ہیں۔ پھر ہر ایک جنس کی مختلف انواع ہیں۔ مثلاً
جمادات کا باب کھولا جائے۔ تو مٹی، پتھر اور دھاتیں وغیرہ ہزاروں مختلف چیزیں
نظر آتی ہیں۔ اگر نباتات کے باب کو دیکھا جائے تو چھوٹے بڑے بیشمار درخت، پوسے
بوٹیاں، بیلین اور گھاس پھوس وغیرہ دکھائی دیتی ہیں۔ اور سب کے بھل بھول، تاثیر
ذائقہ اور خصوصیات وغیرہ جدا گانہ ہیں۔ اسی طرح اگر رب العالم جل مجدہ کے دفتر حیوانات
کو دیکھا جائے تو اس میں خشکی و تری کے دو بڑے باب نظر آتے ہیں۔ اور پھر ہر ایک
باب میں ہزاروں قسم کے جاندار ملتے ہیں۔

برگ و درختان سبز در نظر ہو شیار

ہر ورق و قریب در معرفت کردگار!

جس طرح جمادات، نباتات اور حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں۔ اسی طرح انسان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ لہذا ہر اگرچہ سارے انسان اعضاء کے انسانی میں مشترک نسل کے ہیں۔ لیکن رنگ، قد و قامت، وضع قطع، عادات و اطوار، رسم و رواج، اقدار و سیاسیات، وطنیت، ذہنیت، خوراک اور پوشاک وغیرہ کے لحاظ سے انکی بیشتر قسمیں بن سکتی ہیں۔ اور ان خصوصیات کے لحاظ سے ہر ایک جماعت ایک قوم کہلاتا ہے اور ہر قوم کی خصوصیات مختلفہ ایک دوسری سے جداگانہ ہوتی ہیں۔

ہر ایک چیز کی بقا اس کے اجزائے ترکیبی کی بقا سے ہوتی ہے۔ اگر کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کو کچل دیا جائے تو وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک درخت کا پھل توڑ کر تپے جھاڑوئے جائیں۔ شاخیں اور تنے کاٹ دئے جائیں۔ جڑوں اکھیر کر کھینک دی جائے۔ اس کے تمام اجزاء اگرچہ علیحدہ علیحدہ آنکھوں کے سامنے پڑے ہوئے ہوں۔ لیکن اس کو درخت کوئی نہیں کہے گا۔ بلکہ درخت اسی صورت میں تھا۔ جبکہ ہر ایک چیز اپنی اپنی جگہ پر قائم تھی۔ اسی طرح اگر کسی قوم کی خصوصیات قومی تناہ ہو جائیں تو اس کے منتشر اجزاء اگرچہ دنیا میں موجود ہوں گے۔ لیکن اس قوم کو قوم نہیں کہا جائیگا۔ اور اگر کرا جائیگا تو زندہ قوم نہیں کرا جائیگا۔ بلکہ اسے مردہ قوم کی فہرست میں شمار کیا جائیگا۔ اس کے لئے

یہ نصیب ہوگا۔

بجائے اسکے

دوسروں سے ٹھوکرین کھائیگی۔

۱۔ اپنی قوم بازو کا سکہ دوسروں پر
بھٹائے۔

۲۔ خود مری قوموں کو اپنے اندر جذب

خود جذب ہو جائیگی

کرے۔

۳۔ اپنے ننگ ناموس کی حفاظت کرے

دوسروں کے رحم پر چھوڑی جائیگی۔

۴۔ اپنے اسلاف کی عزت کرے۔

انکی توہین و تذلیل کرا جائیگی۔

۵۔ خود داری و غیرت کا پیکر ہو۔

ذلیل اور بے غیرت دیکھی جائے گی۔

ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں۔ مثلاً ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی وغیرہ
سارے کے سارے اعتقادات انسانی میں تو مشترک ہیں لیکن اپنی اپنی خصوصیات مختصہ

کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ توہین شمار کی جاتی ہیں۔ مسلمان آٹھویں صدی عیسوی کے ابتداء
میں یہاں آئے اور انیسویں صدی کے درمیان تک سارے گیارہ سو سال انہوں نے

ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کے بعد ایک انقلاب عظیم آیا اور اس انقلاب عظیم اور
اس سے پیدا شدہ بعد کے ماحول سے مسلمانوں کی خصوصیات قومی پر ایک کاری ضرب

لگی جس سے اخوت، قوت، دیانت، امانت، کفالت اور ولایت وغیرہ اوصاف
حستہ سے وہ محروم ہوتے چلے گئے۔ اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ نہ خود خدا،

نہ فکر عاقبت، نہ جیاد و شرف، نہ صورت اسلامی، نہ جذبات اسلامی، نہ غیرت
اسلامی، نہ حمیت اسلامی، نہ بڑوں کی عزت، نہ چھوٹوں پر شفقت غرضیکہ ہر

خوبی ان سے کوسوں دور ہو گئی ہے۔

تن آسامیاں چاہیں اور آبرو بھی !
وہ قوم آج بوسے گی، گر کل نہ ڈوبی !

20355

اسراف ان کی گھٹی، ریا ان کا لباس، خوشامد ان کی لوٹڈی، فیہ بیت ان کا
 مشغلہ، مقدمہ بازی ان کی رسم اور جھوٹی شہادتیں ان کی برادرانہ حماقت بن گئی۔
 نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمان عذاب الہی میں مبتلا ہو گئے۔ افراد قوم تو ایک طرف
 آئمہ قوم بھی امامت کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔ جب ان میں اپنے فرالض
 منصبی کو پورا کرنے کی اہلیت نہ رہی۔ تو پھر قوم اور افراد قوم کا تو خدا ہی حافظ

ہے۔

گر ہمیں کتب و ہمیں مکتا۔

کارِ طفلان تمام خواب شد!

اگر لیل و نہار یہی حال رہا اور شفقت شعاری کی یہی کیفیت رہی۔ تو حاکم بدین
 ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ نسلیں کلمہ اسلام اور نام اسلام سے بھی بے بہرہ
 ہو جائیں گی جس کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ قومی عمارت کی از سر نو
 تعمیر کی جائے۔ تمام افراد قوم کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ سب کی باگ ڈور
 ایک ہی قائد اعظم کے سپرد کی جائے۔ علماء امت اور رہنمایان قوم سپر
 المرسلین کے اسوہ حسنہ کا پھر زندہ نمونہ بن جائیں۔ اپنی امامت کے فرالض کو
 نہایت خوش اسلوبی سے پورا کریں۔ اور اپنی پوری طاقت خرچ کر کے قوم سے تھمیل کرنا اپنی زندگی کا
 نصب العین بنالیں جس کا سارا دار و مدار اللہ مت کے مقاصد کو صحیح طور پر پورا کرنے پر ہے۔

یاد دل سلم کو وہ زندہ تمنا دے

جو روح کو تڑپا دے، جو قلب کو گرا دے

امامت کا انتخاب

اے مسلمانانِ فعال! اذقنہ اے علم و فن

ہر من اندر جہاں ارزاں، دیندواں دیر یاب!

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی مختلف جماعتیں نظر آتی ہیں۔ جن کو

سرسری نظر سے چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول طبقہ علماء۔ دوم جدید

تعلیم یافتہ طبقہ۔ سوم طبقہ اہل دولت و ثروت اور چہارم طبقہ عوام۔ علماء کی پھر دو

قسمیں ہیں۔ اول علماء سود اور دوم علماء ربانی۔ علماء سود کو تو حق سے کوئی واسطہ

نہیں ہے، انہیں محض اپنے علیوں سے ماندے سے کام ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام کا کھلا ہوا یا نہ ہو آپس میں لڑ مرے یا بشیر و شکر ہو کر رہے بلکہ

پنجاب میں تو علماء سود کو شمش کر کے ایسے مسائل کی ترویج و اشاعت کرنے میں

یوزمانہ رسالت باب قداۃ اُمی و ابی یا زمانہ صحابہ کرام یا آئمہ اربعہ کے زمانے

کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ بعد میں کسی وقت کی ایجاد و اختراع ہیں۔ جن پر امت محمدیہ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کبھی متحد ہو ہی نہیں سکتی مسائل متفق علیہا کو چھوڑ کر

~~~~~



یہ اختلافی مسائل کو اصول دین بناتے ہیں۔ اور جاہلوں پر خوب رنگ چڑھاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق نفرت کا بیج پوتے ہیں۔ علماء سوء کو اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں۔ راتِ شَرِّ الشَّرِّ شَرُّهُ الْعُلَمَاءُ۔ یعنی بدترین شرارت علماء کی شرارت ہے۔ کی حدیث آنحضرت نے انہی علماء سوء کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ تالم  
کہ با من آنچہ کرداں آشنا کرو!

علماء ربانی کی پھر دو قسمیں ہیں۔ اول علماء ربانی بے حس۔ دوسرے علماء ربانی مزدوریات قومی سے آشنا اور اقدام عمل کرانوالے علماء ربانی بے حس اگرچہ حق پرست طبقہ ہے۔ ان میں اعلان حق کی جرأت موجود ہے۔ جو بات انہیں سمجھ میں آجائے۔ بلا خوف و ہراس کہہ سکتے ہیں لیکن بجز مستثنیات اس مذاق کے حضرات کو بھی مسلمانوں کی ضرورتاً وقتیہ کا بہت کم احساس ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر حضرات معاشیات و سیاسیات سے قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں۔ موجودہ وقت میں غیر مسلموں کی چالبازیوں اور مکاریوں سے بہت کم واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں کی صحیح قیادت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی باعث ہے کہ مصلحین کی صف میں ایسے علماء کرام کا وجود بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

خروئے کہہ بھی دیا لہٰذا لہٰذا تو کیا حاصل  
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

دوسرے علماء ربانی وہ ہیں جو ضروریاتِ قومی سے آشنا اور لوگوں میں عملی  
روح پھونکنے والے ہیں۔ ان کی تعداد بہت ہی قلیل بلکہ اقل ہے۔ اور اگر ہمیں حسن  
التفان سے اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا پایا بھی جاتا ہے۔ تو اس طوطی کی آواز  
نقار خانے میں کون سنتا ہے جہاں ایسے حق پرست عالم کی آواز اٹھتی ہے۔ وہاں  
بدعت پسند اور شکم پرست علماء و شعور برپا کر دیتے ہیں۔ کہ یہ شخص ذہابی ہے۔ بے  
ایمان ہے۔ بزرگوں کا منکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ لہذا  
اس کی بات مست ستم۔ اس کی شکل مت دیکھو۔ اس کے پاس مت جاؤ۔  
اسے کافر اور مرتد کہو۔ اور جو اس پر تبرائے تم سے اسے بھی ملحد اور بے دین سمجھو۔  
آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جو آواز حق دس ہزار آدمیوں کو پہنچتی اور ماہِ حق میں اکسیر  
کا اثر رکھتی۔ وہ ہمیشہ تمام دس بیس آدمیوں تک پہنچتی ہے۔ تمام قوم اس کی  
خدمات سے محروم رہ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ ہر وقت ان کی خدمت کرنے کے لئے  
تیار ہوتا ہے۔ "ان خیر الخیر حیاً من العلماء" یعنی "بہترین خیر علماء  
کے چہرہ آدمی ہیں" کی حدیث رسول اکرمؐ نے انہی علماء کے حق میں ارشاد  
فرمائی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے  
مومن کی یہ پہچان، کہ گم اسمیں ہیں آفاق!

درحقیقت امامت کا مستحق یہی گروہ ہے چونکہ مغربی تہذیب اور زمانہ کے

ماحول سے قوم کے دل و دماغ ماؤف ہو چکے ہیں۔ جیسا طرح ایک مرلین بعض اوقات  
 میٹھی دوائی کو بھی کر ڈوی محسوس کرتا ہے۔ اور اس کے پینے سے منہ بنا تا ہے۔ اور  
 ڈاکٹر اس کی صحت کو بحال کرنے کیلئے اسے کر ڈوی دوائی پینے پر مجبور کرتا ہے۔  
 اسی طرح ان کی تلخ تعلیم بھی قوم کے روحانی مرلینوں کو بعض اوقات ابتدائی تلخ  
 معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ اسے باسانی قبول نہیں کرتے۔ لہذا ایسے حالات میں  
 ان خدا پرست سچے علماء کو بھی ذرا حکمت عملی (Tact) سے کام  
 لینا چاہیے۔ اگر براہ راست اپنا اثر و رسوخ استعمال نہ کر سکیں تو پہلے تمام قوم  
 کو ایک ہی قائد اعظم کی تقلید پر مجبور کریں۔ اور پھر اس کی طرف سے مدد پا کر  
 از سر نو ان کے جذبات میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ جس کے لئے  
 جوصلہ اور ہمت درکار ہے۔ استقلال شرط ہے۔ لگاتار اور ان تھک کوشش  
 درکار ہے۔ بہترین ٹیکٹ (Tact) کی ضرورت ہے۔  
 تعلیم کے تیزاب میں ڈال اسکی خودی کو ہو جائے ملائم تو چند صبر چاہئے اسے پھیرنا  
 تاثیر میں اسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک فہیر

# امامت کی اہمیت

فتنہ و فلت بیٹھا ہے امامت اُس کی  
جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے!

طبقة علماء میں جس طرح علماء سوء اور علماء ربانی بے حس خود کسی دوسرے  
کی امامت کے محتاج ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی باقی تین جماعتوں یعنی جدید تعلیم  
یافتہ طبقہ، طبقہ اہل دولت و ثروت اور طبقہ عوام کو بھی کسی صحیح امامت کی  
شد ضرورت ہے۔ طبقہ علماء کی طرح تعلیم یافتہ طبقہ کے بھی عموماً تین گروہ نظر  
آتے ہیں۔ اول فناء فی المغربیت۔ دوسرے زندہ دل مگر ڈرپوک اور تیسرے  
مجاہد فی سبیل اللہ۔ ان میں سے پہلا گروہ جسے فناء فی المغربیت کے نام سے تعبیر  
کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ہیں جنہیں زمانہ تعلیم میں تعلیم اسلام سے بے پیرہ رکھا گیا  
ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ یہ طبقہ نصاب تعلیم الاسلام یعنی قرآن و  
حدیث کی بجائے نصاب تعلیم یورپ کا عالم بن گیا ہے۔ تہذیب اسلامی کی  
بجائے تہذیب یورپ کا دلدادہ ہو گیا ہے۔ تمدن اسلامی سے متنفر ہو کر تمدن

یورپ کا فدائی ہے۔ عموماً یہ طبقہ وضع قطع، نشست و برخاست، خورد و نوش، اور لباس و پوشاک میں اپنے آپ کو پورے میں ثابت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان بیچاروں کی پھر بھی درگت بن جاتی ہے۔ کہ کالے گورے کا سوال کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔ لیکن

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد  
خدا پنج انگشت یکساں نہ کر دیا

بفضلہ تعالیٰ اس تعلیم یافتہ طبقہ کا دوسرا گروہ زندہ دل اور قومی مفردیات کو من و عن سمجھنے والا بھی موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے بعض حکام وقت اور حکومت سے خائف اور بعض اپنی خواہشات کی بناء پر برادران وطن سے اس قدر عیب میں کہہ سکتے ہیں کہ "آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا ہے" کا مصداق ہیں۔ ایسے لوگوں کا وجود قوم کے لئے سود مند نہیں۔ اور ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ طبقہ اسلام اور مفاد قوم کو اپنی وفاداری کی پوری نشانی سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ شاید یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے ہندوئی قوم کا نام لیا تو ہتھکڑی اور جیلخانہ تیار ہے ملازمت کے چھین جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے یہ کہتا ہے کہ "ما بخیر و شما بسلامت" عاقبت اسی میں ہے۔ کہ دنیا میں مزے سے زندگی گزارو۔ آخرت کی خدا جانے سے

ناخدا در کشتی ماگر تیا شد گر مباحث

ناخدا داریم مارا ناخدا در کار نیست

تعلیم یافتہ طبقہ کا تیسرا گروہ جو مجاہد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ قلیل بلکہ اقل ہے۔ مگر ان کا وجود کفر کے لئے خارِ شیم، ان کی تحریر کفر کے لئے سیفِ قاطع ان کی تقریر کفر کے حق میں پیغامِ موت اور ان کی نقل و حرکت کفر کے وجود میں نشترِ جراحی ہے۔ علماءِ ربانی جو ضروریاتِ قومی سے آشنا ہیں۔ ان کے بعد اگر کوئی گروہ قوم کی صحیح قیادت کر سکتا ہے۔ تو وہ یہی مجاہد فی سبیل اللہ کا گروہ ہے اگر یہ دونوں گروہ باہم مل کر کسی قوم کی امامت کا بیڑہ اٹھائیں۔ یا خوش قسمتی سے کوئی ایسی قابلِ ہستی مل جائے جو ہر دو طبقات کے جمیلہ اوصاف کی پوری پوری حامل ہو۔ تو پھر نورِ علیٰ نور ہے۔ اور وہی شخص قوم کا قائدِ اعظم کہلانے کا مستحق ہے۔ وہی قابلِ قہ ہے۔ اور اس کا وجود قوم کے لئے از بس غنیمت ہے۔ اسی کی امامت قوم کے لئے داعی الی الجنۃ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام جماعتوں کی امامت مسلمانوں کیلئے داعی الی النار کا حکم رکھتی ہے۔

تیسرے مسلمانوں کا دولت مند طبقہ ہے۔ یہ طبقہ عموماً ذریعہ پرستی میں محو اپنے تعیش کا دلدادہ اور ضروریاتِ مذہبی سے قطعاً تاواقف ہے۔ باقی رہا طبقہ عوام تو وہ کا الالعام ہے۔ وہ نانِ شبیہ کا محتاج ہے۔ اس فوراً فلاں میں اس کو اتنی فرصت ہی نہیں کہ خود کچھ سمجھ سکے۔ وہ تو جس کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اسی کا راگ الاپنے

لگ گیا۔ اگر کسی عالم سور نے اسے شکار کر لیا۔ تو اسی کا ہو گیا۔ اگر کسی  
 بے دین دُتیا دار کا ملازم ہو گیا۔ تو اسی کے خیالات میں رنگا گیا۔ ان کی تو  
 اپنی کوئی رائے ہی نہیں۔ ۵

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا  
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا خمیر!



# امامت کا انحصار

دل مُردہ نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ  
 کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ !  
 جب تاریخِ عالم پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور نظامِ عالم کا نقشہ دیکھتے ہیں۔ اور  
 مختلف قوموں کی امامت پر نگاہ کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے یہ امر قابلِ غور معلوم  
 ہوتا ہے۔ کہ اس دنیا میں امامت و قیادت کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ وہ چیز کیا  
 ہے۔ جسکی بنا پر کبھی مسر امام بنتا ہے۔ اور دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے۔ کبھی باہل  
 امام بنتا ہے اور دنیا اس کی پیروی کرتی ہے۔ کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا  
 اس کا اتباع کرتی ہے۔ کبھی مسلمان امام بنتے ہیں اور دنیا ان کے نقشِ قدم پر چل  
 لیتی ہے۔ اور کبھی یورپ امام بنتا ہے۔ اور دنیا اسکی متبع بن جاتی ہے۔ پھر  
 وہ کیا چیز ہے؟ جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے۔ کل اس سے چھین کر  
 دوسرے کے پاس چلی جاتی ہے اور پرسوں اس سے بھی سلب ہو کر تیسرے کی طرف  
 منتقل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ محض ایک بے ضابطہ یا اتفاقی امر ہے۔ یا اس کا کوئی



خدا لفظ اور اصول بھی مقرر ہے۔

سو اس مسئلے پر جتنا زیادہ غور کیا جائے۔ اس کا جواب یہی ملتا ہے۔ کہ

ہاں! اس کا ایک عنایت ہے۔ اسکی ایک اصل ہے اور اس کا ایک کلیہ

ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم کے ساتھ وابستہ ہے۔

انسان کو یہ حیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت الیٰ ہی علم کی وجہ سے

ہے۔ اس کو سمع، بصر اور فواد تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں۔ جو دوسرے مخلوق

مخلوقات ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اس کی بہ نسبت کم دی گئی ہیں۔ اسلئے

وہ اس بات کا اہل ہوا۔ کہ دوسری مخلوقات پر خداوند عالم کا خلیفہ بنایا

جائے۔ اور وہ اشرف المخلوقات بن کر تمام دنیا پر حکومت کرے۔

اب خود اس نوع میں سے بڑے طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں

اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا۔ اور اپنی علمی استعداد میں سب پر گئے

سبق حاصل کر لے گا۔ وہ اسی طرح ان سب کا امام بنے گا۔ جس طرح انسان

من حیث النوع دوسری انواع ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل

ہوا ہے۔

بنی آدم از علم یابد کمال

تہ از حشمت و جواد و مال و منال!

اب یہاں دوسری بات جو قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ علم سے مراد کیا ہے؟

اور اس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا مفہوم کیا ہے؟ سو اس مسئلہ کا حل سمع، بصر اور فوادِ ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلامِ الہی میں یہ تینوں لفظ جبر و سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں ہی استعمال نہیں ہوئے۔ بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی ذرا سم کر دہ معلومات حاصل کرنا ہے۔ بصر سے مراد خود مشاہدہ کر کے واقفیت بہم پہنچانا ہے۔ اور فواد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کرنا ہے۔ اور یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ بر سبیل اطلاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے مخلوقاتِ ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے۔ ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھئے گا۔ تو معلوم ہوگا کہ جو انسان انفرادی طور پر ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں۔ وہ پست اور مغلوب رہتے ہیں۔ انہیں تلج اور مطیع بن کر رہنا پڑتا ہے۔ ان کا کام پیچھے پلٹنا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ ان تینوں قوتوں سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ برتر اور غالب ہوتے ہیں۔ قہور اور مطاع بنتے ہیں۔ رہنمائی و پیشوائی انہیں کے حصے میں آتی ہے۔

تو از علم در دین و دنیا تمام

کہ کار تو از مسلم گیرد نظام!

مگر امامت ملنے اور چھٹنے کا ضابطہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو اس سے بھی

زیادہ تفصیلی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس تفصیلی نگاہ میں آپ کو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ ایک گروہ انسانوں کا امام اس وقت بنتا ہے۔ جب وہ ایک طرف ان معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا ہے۔ جو اعلیٰ اور عالیٰ کے انسانوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دوسری طرف خود اپنے مشاہدہ سے مزید معلومات فراہم کر لے ہیں لگا رہتا ہے تیسری طرف ان دونوں قسم کی معلومات کو مرتب کر کے ان سے نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان نتائج سے کام لیتا ہے۔ پہلے کی جو چیزیں غلط۔ کم از کم اس کے اخذ کردہ نتائج کے لحاظ سے غلط ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی اصلاح کرتا ہے۔ پہلے کی جن چیزوں کا نقص۔ کم از کم اس کے فہم کے لحاظ سے۔ اس پر کھلتا ہے۔ ان کی تکمیل کرتا ہے اور جو نئی چیز علم میں آتی ہے۔ ان سے اپنی ملازمت کے مطابق زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات جب تک اس گروہ میں تمام دوسرے انسانی گروہوں سے زیادہ رہتی ہیں۔ اس وقت تک وہ اپنی پوری نوع کا امام بنا رہتا ہے۔ اور امامت کا حلیل القدر منصب اس کے شایان شان ہوتا ہے۔

اور جب اس قدر عروج کے بعد اس گروہ کے زوال کا وقت آتا ہے۔ تو وہ ٹھک کر اپنے کئے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدہ سے مزید معلومات حاصل کرنے اور اس سے مزید نتائج اخذ کرنے کی کوشش چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کا تمام ہنر

علمی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اس  
 کے لئے علم کے معنی صرف جاننے کے ہو جاتے ہیں۔ کہ پہلے جو معلومات حاصل  
 گئی تھیں۔ اور جو نتائج اخذ کئے گئے تھے وہ کیا تھے۔ اب وہ اس غلط فہمی  
 میں پڑ جاتا ہے۔ کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے۔ وہ کافی ہے۔ اس میں  
 کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ پہلے جو نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان  
 میں کسی اصلاح و ترقی کا موقع نہیں۔ پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے۔ مکمل ہے۔  
 اس میں ترمیم ہی کی جاسکتی ہے۔ اور نہ اس سے آگے مزید تعمیر ہی ممکن ہے۔  
 اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ گروہ خود امامت سے ہٹ جاتا ہے اور نہ ہٹنا چاہے  
 زبردستی ہٹا دیا جاتا ہے۔

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا

جس قوم کی تقدیر میں امرور نہیں ہے!

پھر جو وہ سراگروہ مزید اکتساب علم، مزید اخذ نتائج اور مزید تعمیر حیات  
 عزم لے کر آگے بڑھتا ہے۔ امامت و قیادت اس کا حصہ ہوتی ہے۔ اور  
 صاحب جو پہلے امام تھے۔ اب مقتدی بنتے ہیں۔ جو پہلے مطاع و متبوع تھے۔  
 مطیع و تابع بنتے ہیں۔ جو پہلے جیتے جاگتے علم کے مالک اور دنیا کے استاد بنے  
 تھے۔ اب عجائب خانہ، آثار قدیمہ میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ تاکہ بیٹھے علیم ادا مل کر تشریح  
 کرتے رہیں۔

## امامت کا حصول

ہے مریدوں کو تو حق بات گو اور ایسے کن

شیخ و ملا کو بڑی لگتی ہے درویش کی بات !

امامت خواہ وہ آگ کی طرف چلانے والی ہو یا جنت کی طرف۔ بہر حال اس گروہ کا منصب ہے۔ جو صبح، بصر اور فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اہل ضابطہ ہے۔ اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خدا شناس ہو یا ناخدا شناس بہر حال وہ یہ شرط پوری کرے گا۔ تو دنیا کا امام بن جائے گا۔ اور نہ کرے گا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے فریج سکے گا۔ اور خسرة دنیا و الآخرة کا مصداق بن کر رہ جائے گا۔

مسلمانوں کو جس چیز نے امامت کے منصب سے گرایا۔ اور ناخدا شناس گروہ اہل مغرب کو اس پر لا بھمایا۔ وہ دراصل ہی ضابطہ ہے۔ آپ کے ہاں مدت ہائے مداز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر اور فواد دونوں معطل تھے۔ اور

سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔  
 خلافت اس کے ناخدا شناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا۔ اس نے ہم  
 سے بھی آپ سے بڑھ کر کام لیا۔ اور بصرد نواد کا کام تو کھپلی ڈھانی تین صدیوں  
 تمام تر اس نے انجسام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام  
 گئے اور آپ مقتدی بن کر رہ گئے۔ آپ کی دینی تسلیم کے تمام مراکز ابھی تک  
 اپنی اس قلبی پراٹے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں علم محض علوم ادا کیل کے پڑھنا  
 تک محدود ہے۔ اگر انہوں نے کسی قدر اصلاح کی طرف توجہ بڑھایا۔ تو اس  
 بھی صرف اس قدر ہے۔ کہ سماع کا دائرہ حالی کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔  
 اور نواد پھر بھی معطل کے معطل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ  
 سکتا ہے۔ تو وہ یہی ہے۔ کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی۔ بڑھیا قسم کے مقتدی بن  
 جائیں۔ امامت بہر حال آپ کو نہیں مل سکتی۔ حالانکہ دنیا کی واحد خدا شناس  
 جماعت ہونے کی وجہ سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے۔ اس کو آپ انجام  
 دے سکتے۔ جب تک کہ آپ ناخدا شناس لوگوں سے دنیا کی امامت کا منصب  
 چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں۔ اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے  
 کہ آپ مجرّد سماعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑ دیں۔ اور بصرد نواد سے نہ صرف  
 کام لیں۔ بلکہ اس میں دنیا کے تمام گروہوں پر فوقیت لے جائیں۔  
 قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر۔ چمن اور کھجی آشیاں اور بھی ہیں۔

ناخدا شناس یورپ خدا سے بغاوت اور طغیان کی بنا پر دنیا کی امامت  
 کر رہا ہے۔ اور آگ کی طرقت ساری دنیا کو لے جا رہا ہے۔ وہ محض ایک انسانی  
 گروہ ہونے کی حیثیت سے سب کی قیادت کرنی چاہتا ہے۔ برخلاف اس کے  
 آپ ایک خدا شناس گروہ انسانی ہیں۔ آپ کے مسدک کی بنیاد اطاعت باللہ  
 پر ہے۔ آپ کے ایمان کی رو سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف خود  
 آگ کے راستے سے بچ کر جنت کے راستے پر جائیں۔ بلکہ دنیا کو بھی اسی راستے  
 پر چلائیں اور یہ فرض آپ انجام نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ آپ ان سے  
 امامت چھین کر خود امام نہ بنیں۔ ناخدا شناسی کی امامت خواہ کسی کی ہو۔ وہ اسی  
 طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی کی اور مطلوب بالذات دراصل ہی  
 امامت ہے۔ جس کی بنیاد خدا شناسی پر ہو۔ خواہ اس کے علمبردار عربی ہوں یا  
 ایرانی اور ہندی ہوں یا پنجابی۔ سے

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان!

کسی امامت کے داعی الی الجنتہ یا داعی الی النار ہونے کا مدار بالکل اس  
 کے خدا شناس یا ناخدا شناس ہونے پر منحصر ہے۔ جب کوئی ایسا گروہ جو  
 خدا شناس نہ ہو۔ اپنے علمی اجتہاد کی بدولت دنیا کا امام بن جاتا ہے۔ تو وہ  
 تمام سمعی اور لبعری معلومات کو اسی نقطہ نظر سے جمع کرتا ہے۔ اور اسی نقطہ نظر

کے مطابق انہیں مرتب کرتا ہے۔ کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے انسان محض ایک غیر مسئول (Irresponsible) ہستی ہے۔ دنیا کی جو چیزیں اس کے لئے مسخر ہیں۔ وہ سب اس کی ملک ہیں۔ جن سے کام لینے کا مقصد اور طریقہ متعین کرنے میں وہ خود مختار محض ہے۔ اور اس کی تمام سعی و جہد کا منہائے مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ اپنی خواہشات نفس کی خدمت کرے۔ معجزات کے اس اساس پر مرتب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ حکمت نظری اور حکمت عملی دونوں کا فنون و مباحثہ پرستی کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ یہی حکمت تمام دنیا کے قلوب و اذہان پر چھا جاتی ہے۔ اسی سے مادہ پرستانہ اخلاقیات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی پر انسان اور انسان کے درمیانی تعلق کے تمام ضابطے بنتے ہیں۔ اور فی الجملہ ساری انسانی زندگی کا بسا اڑاس راستے کی طرف چل پڑتا ہے۔ جس کی آخری منزلوں پر پہنچ کر اس دنیا ہی سے عذابِ جہنم کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کہہ رہا ہیں

کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری!

یہ ناخدا شناس حکمت جب تک دنیا کے افکار، اخلاق، تمدن اور مہر میں

پر چھائی رہتی ہے۔ خدا شناسی کے نقطہ نظر اور اس کے افکار و افکار کے لئے زمین

آسمان کے درمیان کوئی جگہ نہیں رہتی۔ لوگوں کے سوچنے کا انداز اس کے خلاف



ہوتا ہے۔ طبائع کی افتاد اور مزاجوں کی پسند اس کے برعکس ہوتی ہے اختلاف کے سارے اصول اور قدر و قیمت کے سارے معیار اس سے منحرف ہو جاتے ہیں زندگی کے تمام ضابطے اور انسانی سعی و عمل کے سارے ہنگامے اس کو اپنے درمیان جگہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور اس صورت حال میں صرف یہی نہیں ہوتا۔ کہ خدا پرستی کے مسلک کی ہر چیز دنیا میں نامقبول اور نامعقول ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ خود وہ لوگ جو اس مسلک کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں ذوقی الواقع اس کی پیروی کر نہیں سکتے۔ زندگی کے ہر یا کا بہاد زبردستی کھینچ کر ان کو اپنے راستے پر لے جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کشمکش وہ پس اتنی ہی کر سکتے ہیں کہ مگر کے بل بہنے کی بجائے احتجاجاً پاؤں کے بل بہیں۔

اٹھائیں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

جو گروہ خیالات کے میدان میں امام بنتا ہے۔ اور کائناتِ فطرت کی طاقتوں کو اپنے علم سے مسخر کر کے ان سے کام لیتا ہے۔ اس کی امامت صرف خیالات ہی کے عالم تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ زندگی کے پورے دائرہ پر چھا جاتی ہے۔ زمین پر اس کا تسلط ہوتا ہے۔ رزق کی کنجیاں اس کے قبضے میں ہوتی ہیں کیا نہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے انسانی حیات اجتماعی کا سارا کاروبار اس ڈھنگ اور اس نقشے پر چلنے لگتا ہے جس پر وہ گروہ اپنی ذہنیت

اور اپنے خیالی زاویہ نظر کے مطابق اسے چلانا چاہتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ گروہ میں کو یہ تسلط و تیا اور اس کے معاملات پر حاصل ہے۔ خدا سے پھرا ہوا ہو۔ تو اس کے محیطہ اقتدار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا گروہ بننے نہیں سکتا۔ جو خدا کی طرف پھرتا چاہتا ہو۔ مثال کے طور پر جس گاڑی میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر اس کا ڈرائیور اسے کالکتہ کی طرف لے جا رہا ہو۔ تو آپ کراچی کی طرف جا ہی کب سکتے ہیں۔ چارو تا چار آپ کو اسی طرف جانا پڑے گا۔ جدھر ڈرائیور جانا چاہتا ہے۔ آپ بہت بگڑیں گے تو اتنا کر لیں گے۔ کہ اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنا رخ کالکتہ سے کراچی کی طرف پھیر لیں۔ اور برضا و رغبت نہ سہی کشاکش اس منزل پر جا پہنچیں جو آپ کی منزل مقصود کے عین مخالف سمت پر واقع ہے۔ یہی صورت حال فی الواقع اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے درپیش ہے۔

شکات ہے مجھے یارب خداوندانِ کتب سے  
سبق شاہین بچوں کو جسے ہے ہیں خاکبازی کا!

# امامت کی علویت

تیسرا امام بے حضور، تیسری نماز بے سرور  
ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر! سر

جب مسلمانوں کے علمی انحطاط کے بعد یورپ نے علم کے میدان میں پیش قدمی کی۔ تو ناگزیر اسباب نے اس کی نگاہ کا زاویہ خدا سے بیزار کی طرقت پھیر دیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے مقام سمعی معلومات کو جمع کیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے آثار کائنات کا مشاہدہ کیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کئے۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے زندگی کے مقاصد، اخلاق کے اصول، تمدن کے ضوابط، اور انفرادی و اجتماعی برتاؤ کے ڈھنگ متعین کئے۔ اور اسی نقطہ نظر سے اس نے ان تمام قوتوں کے مصرف تجویز کئے۔ جو اسے تحقیق و اجتہاد کی بدولت حاصل ہونی تھیں۔ پھر جب اس علم کے زور پر وہ اٹھا تو ایک طرف زمینیں کی زمینیں اور قومیں کی قومیں اس کے آگے مسخر ہوتی چلی گئیں۔ اور دوسری طرف وہی علم، وہی ذہنیت، وہی مقاصد، وہی

غایات، وہی فکری مساخت، وہی اخلاقی روش، وہی تمدنی قواعد و ضوابط  
 غرض وہی سب کچھ جو اس امام غالب کے پاس تھا۔ تمام دنیا پر چھا گیا۔ اب یہ  
 حال ہے کہ ایک بچہ جب سے ہوش سنبھالتا ہے۔ اسی وقت سے اس کے ذہن اور  
 اس کی زندگی کی تعمیر اس نقشے پر ہونے لگتی ہے۔ جو یورپ کی امامت نے بتایا ہے  
 سمعی معلومات اسی ترتیب سے اس کے دماغ میں اترتی ہیں۔ مشاہدہ کے لئے وہی  
 نقطہ نظر سے ملتا ہے۔ نتائج اخذ کرنے کی ساری تربیت اسی طرز پر اپنے حوصلے  
 ہوتی ہے۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط، مقبول اور مردود کی تعین کے لئے وہی  
 معیار سے میسر آتا ہے۔ اخلاق کے وہی اصول، زندگی کے وہی مقاصد اور  
 سعی و عمل کے وہی راستے اس کے سامنے روشن ہوتے ہیں۔ اور اپنے گرد پیش  
 زندگی کا سارا کارخانہ اسی ڈھنگ پر اسے چلتا ہوا ملتا ہے۔ اور جب وہ اس طرح  
 پروان چڑھنے کے بعد چراگاہ حیات میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ تو چونکہ  
 یہی ایک مشین دنیا میں چل رہی ہے۔ اور کوئی دوسری مشین چلنے والی موجود نہیں ہے  
 اس لئے اسی کا پرزہ اس کو بن جانا پڑتا ہے۔ اور ہر چہ درکان نمک رفت  
 نمک شدہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

انسان کا نصیب نہ انسان کے بس میں ہو

انسانیت نہ پیر و شیطان کے بس میں ہو

ناخدا شناس تہذیب و تمدن کے اس کامل تسلط میں اول تو یہی سخت مشکل ہے

کہ خدا پرستانہ نظریہ حیات، مقصدِ زندگی اور اصولِ اخلاق کو دلوں اور دماغوں میں راہ مل سکے۔ کیونکہ علوم و فنون کی ساری ترتیب اور زندگی کی پوری روش اس کے بالکل مخالف سمت میں بھری ہوئی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ ایسے بھی نکل آئیں۔ جن کے ذہن میں یہ تخم جڑھ پکڑ لے۔ تب بھی اگر وہ پیش کی پوری فضا اس کو غذا دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کو نہ کہیں علوم سے تائید ملتی ہے۔ نہ زندگی کے بنے اور جھے ہوئے لقمے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ دنیا کے چلتے ہوئے معاملات ہی میں کہیں اسکی جگہ نظر آتی ہے۔ جب قدرِ معلومات گذشتہ پانسو برس کی مدت میں انسان کو حاصل ہوئی ہیں۔ ان کو مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا سارا کام ناخدا شناس لوگوں نے کیا ہے۔ خدا پرستی کے لقمہ نظر سے انکی ترتیب بگاڑ اور اخذ نتائج کا کوئی کام ہوا ہی نہیں۔ فطرت کی جو طاقتیں اس دوران میں انسان کے لئے مسخر ہوئیں۔ اور تو انین طبیعی کی مزید دریافت سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ ان سے بھی خدا پرستوں نے نہیں بلکہ خدا کے باغیوں نے کام لیا۔ اسلئے ناگزیر تھا۔ کہ تمدن انسانی میں ان سب کا مصرت وہی مقرر ہوتا۔ جو ان کے مقاصدِ زندگی اور اصولِ اخلاق کے مناسب حال تھا۔ اسی طرح اجتماعی معاملات کی تنظیم کے جننے نظریہ خدا کے اور عملی طریقے اس دوران میں سوچے۔ اور عملاً چلائے گئے۔ ان سب کے سوچنے اور چلانے والے وہ دماغ اور وہ ہاتھ نہ تھے۔ جن پر خدا پرستی کا مسلک فرما کر دیا ہوتا۔ بلکہ وہ تھے۔ جو خدا کی اطاعت سے

منحرف تھے۔ اس لئے نظریات اور عملیات کے میدان پر آج سارے کے سارے وہی نقشے چھلکے ہوئے ہیں۔ جو انہوں نے بنائے ہیں۔ اور ایسا کوئی نقشہ جو خدا پرستانہ مسلک کی بنیاد پر بنا ہو۔ عملاً تو کیا موجود ہوتا۔ نظر کے کی شکل میں بھی ایسی تفصیلی ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہے۔ جو آج کے حالات سے ربط رکھتا ہو۔ اور جس میں آج کے مسائل حیات کا پورا پورا حل مل سکے۔ اب اگر اس مسلک پر اعتقاد رکھنے والا کوئی شخص راہ بن کر دنیا اور اس کی زندگی سے الگ تھک کسی گوشے میں جا بیٹھے۔ اور پانسویں صدی سے پہلے کی فضا اپنے اوپر طاری کر لے۔ تب تو بات دوسری ہے۔ ورنہ اس دنیا کے معاملات میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے حصہ لینے کی صورت میں تو قدم قدم پر اس کے لئے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ اپنے مسلک میں نیک نیت اور صحیح الاعتقاد ہونے کے باوجود بار بار وہ ناواستہ ان فکری اور عملی راہوں پر چل پڑتا ہے۔ جو اس کے مسلک سے بالکل مختلف ہیں۔ نئی معلومات جب اس کے سامنے آتی ہیں۔ تو اس کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے۔ کہ حقائق (Facts) کو ان ناخدا شناس لوگوں کے نقطہ نظر اور اخذ کردہ نتائج سے الگ کر سکے۔

جنہوں نے ان کی دریافت، ترتیب اور استنباط کا سارا کام انجام دیا ہے اس لئے اکثر وہ اس طرح حقائق کے ساتھ ان کے نظریات اور نتائج کو بھی مفہم کر جاتا ہے کہ اسے اس امر کا شعور تک نہیں ہوتا کہ امرت کے ساتھ کتنا زہر اس کے اندر اتر گیا۔ اسی طرح زندگی کے عملی معاملات سے جب اس کو واسطہ پیش آتا ہے۔ تو وہ سخت مشکل

میں پڑ جاتا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرے۔ بہت سے اجتماعی نظریات جو فی الامس  
 اس مسلک کے مخالف ہیں۔ اس کے دل و دماغ پر نہ پرستی چھا جاتے ہیں۔ کیونکہ دنیا  
 میں ہر طرف چلن ہی ان کا ہے۔ بہت سے عملی طریقوں کو غلط سمجھنے کے باوجود محض  
 اس پتہ پر وہ اختیار کرتا ہے۔ کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی دوسری راہ سوچ نہیں سکتا۔  
 اور بہت سی غلط راہوں پر اسے مجبوراً اس لیے چلنا پڑتا ہے۔ کہ ان پر چلے بغیر کوئی  
 چارہ کار ہی نہیں ہے۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت  
 ناداں یہ سمجھتا ہے، کہ اسلام ہے آزاد!

# امامت کا انقلاب

نہ ہو تو امید، تو میدی زوالِ علم و عرفاں ہے  
امید مود و مومن ہے، خدا کے راز دانوں میں!

ناخدا شناس آئمہ کی امامت میں رہ کر خدا شناسی و خدا پرستی کا مسدک  
زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا ہر مسلمان جو اس مسدک پر اعتقاد رکھتا ہو اَطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ کا نام لیا ہو۔ اس کے عین ایمان و اعتقاد کا اقتضایہ ہے۔ کہ  
اس امامت کو مٹائے اور خدا شناس امامت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے تیار ہو  
جائے۔ جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم کی حد تک محدود ہے۔ اس میں یہ طاقت  
ہرگز نہیں ہے۔ کہ امامت میں اتنا بڑا انقلاب کرنے کے لئے آپ کو تیار کر سکے  
لہذا اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگین علماء اسلام کے ہاتھ  
میں آجائیں اور وہ دنیا جو آج آگ کی طرف چلائے والے آئمہ کے پیچھے چل رہی ہے  
جہت کی طرف بلائے والے آئمہ کی رہبری قبول کرتے کے لئے مجبور ہو جائے۔ تو اس  
مقصد کے حاصل کرنے کے لئے آپ کو مکمل انقلابی اصلاحات کیلئے تیار ہونا پڑے گا۔



اور اپنے سارے نظام تعلیم کو اوجھڑ کر از سر نو ایک دوسرا ہی نظام تعلیم بنانا ہوگا۔ جو نظام تعلیم تمام علوم کو اسی ترتیب اور اسی زاویہ نظر سے دیتا ہے۔ جو ناخدا شناسی آئمہ کی ترتیب اور زاویہ نظر ہے۔ اور جو اس تمدنی نشین کا پرزہ بننے کے لئے انسانوں کو تیار کرتا ہے۔ جو آئمہ ضلال کے بنائی ہے۔ وہ دراصل ارتداد کا مجرب نسخہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فریب نہیں ہو سکتا۔ کہ اس نوعیت کی کسی تعلیم کا پر مسلم لیونیورسٹی یا اسلامیہ کالج یا اسلامیہ ہائی سکول کے الفاظ کا اطلاق کیا جائے۔ اور اس تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے لاکر جوڑ دینا بچا لوے فیصدی تو بالکل ہی الاحاصل ہے۔ اور پانچ فیصدی فائدہ اگر اس سے حاصل ہو بھی سکتا ہے۔ تو وہ پیش ازین نیست۔ کہ لوگ کچھ مدت تک کفر کے راستے پر خدا کا نام لیتے ہوئے چلتے رہیں۔

اٹھایں مدرسہ و خالقاہ سے نمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

اعمالح تعلیم کا یہ اسٹج کہ علوم اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا گیا یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لئے آپ کو تیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ فلسفہ، سائنس، تاریخ، ریاضیات، معاشیات اور دوسرے علوم جو اس وقت مدلل و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں۔ وہ سب کے سب ناخدا شناس لوگوں کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کی ترتیب و تدوین میں اس گروہ کا نقطہ نظر اس

طرح پرست ہے۔ کہ حقائق و اقدار کو نظریات اور اوریام و تعصبات اور امحاء  
 نہ حیوانات سے الگ بھانٹ لیتا اور خدا پرستی کے نقطہ نظر سے ان کو بطور  
 خود مرتب کر کے دوسرے نظریات قائم کرنا نہ ہر طالب علم کے بس کی بات ہے  
 نہ ہر استاد کے بس کی۔ اب اگر آپ ایک طرف پرانے علوم کو پرانی ترتیب کے  
 ساتھ ابد نئے علوم کو اس خاص ترتیب کے ساتھ جو اس وقت پائی جاتی ہے  
 ملا کر پڑھائیں گے۔ تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب عجیب قسم کے  
 مرکبات پیدا ہوں گے۔ کوئی پرانے علوم سے مغلوب ہوگا۔ تو مولوی بن جائے گا  
 کوئی نئے علوم سے مغلوب ہوگا۔ دوسرے کی طرف چلا جائے گا۔ بلکہ کامریت  
 تک جا پہنچے گا۔ کوئی دونوں کے درمیان تذبذب کی حالت میں مشغول ہو جائیگا۔  
 بہت کم آدمی اس نظام تعلیم سے ایسے نکل سکتے ہیں جو دونوں قسم کے  
 علوم کو جوڑ کر کوئی صحیح مرکب بنا سکیں۔ اور ان کا بھی اس قدر طاقتور ہونا بہت مشکل  
 ہے۔ کہ اٹھ کر خیالات اور زندگی کے دھارے کے ایک طرف سے دوسری طرف

پھیر دیں۔

پس اگر آپ ان مندرجہ بالا نظریوں کو درست تسلیم کرنے میں۔ تو پھر امامت میں  
 انقلاب کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ کہ ان تینوں نظامات تعلیمی سے  
 بٹ کر ایک بالکل نیا نظام تعلیم بنایا جائے۔ جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم  
 یکدہ انتہائی مدارج تک تینوں سے مختلف ہو اور اس سے قوم کی ترقی کی راہیں کھل جائیں۔  
 اے طاہر لاہوری اس رزق سوویت پر  
 رزق سے آئی ہو وازیں کو تاجی

# امامت کا علم

علم حق غیر از شریعت، سبج نیست  
اصل سنت جز محبت، سبج نیست

عنوان امامت کے لئے جس نظام تعلیم کی ضرورت ہے اس کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہو کہ دینی و دنیوی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو ایک جگان کر دیا جائے۔ علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیحدگی کے تصور پر مبنی ہے۔ اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے۔ وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کو اس نقطہ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں۔ اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو۔ اسی چیز کا نام دین ہے۔

اس تصور دین کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے۔ درنہ اگرچہ علوم دنیوی ہوں۔ اور وہ فدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی رہیں۔ اور کچھ

دوسرے علوم دینی ہوں۔ اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں۔ تو ایک سچے  
 شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ پورے پائے گا۔ کہ دنیا کسی اور چیز کا نام  
 ہے۔ اور دین کسی اور چیز کا۔ اس کے لئے یہ دونوں دو مختلف عنصر ہوں گے۔  
 اور ان دونوں کے درمیان توافق پیدا کر کے ایک ایسی ہموار زندگی بنانا اس کے  
 لئے مشکل ہوگا۔ جو اَدْخُلُوا فِي الْمِلَّةِ كَافَّةً کی مصداق ہو سکے۔

مثال کے طور پر اگر آپ تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات

(Biology) حیوانیات (Zoology) اراضیات (Geology)

ریاضی، ماہیت (Astronomy) معاشیات (Economics)

سیاسیات اور دوسرے تمام علوم ایک شخص کو اس طرح پڑھاتے ہیں۔ کہ اول سے  
 آخر تک کسی جگہ خدا کا نام نہیں آتا۔ نہ آفاق و انفس کے آثار پر اس حیثیت سے  
 نظر ڈالی جاتی ہے۔ کہ یہ آیات الہی ہیں۔ نہ تو ان میں طبعی کا ذکر اس حیثیت سے کیا  
 جاتا ہے۔ کہ یہ ایک حکیم کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ واقعات کی توجیہ اس حیثیت سے  
 کی جاتی ہے کہ ان میں کسی قادر و توانا کا ارادہ کام کر رہا ہے۔ نہ عملی علوم میں اس  
 مقصد کا کہیں نشان پایا جاتا ہے۔ کہ ان سے خدا کی رضا کے مطابق کام لینا ہے۔ نہ  
 معاملات زندگی کی بحث میں اس ضابطہ کا کہیں بیان آتا ہے۔ جو ان کو چلانے کے  
 لئے خدا نے بتایا ہے۔ نہ سرگزشت حیات میں اس کے الہی مہزاء و غانت کی  
 بحث کسی جگہ آتی ہے۔ تو علوم کے اس پورے مجموعہ سے اس کے ذہن میں دنیا اور

اس کی زندگی کا خوب تصور پیدا ہوگا۔ وہ خدا کے تصور سے بالکل خالی ہوگا۔ ہر چیز سے اس کا تعادل خدائے باری کے بغیر ہوگا اور ہر معاملہ میں وہ اپنا تواسبتہ خدا اور اس کی رعایت سے الگ بنائے گا۔ پھر حسیب تمام شعبوں سے یہ نقطہ نظر اور معلومات کی یہ ترتیب لٹے ہوئے ایک شعبہ میں جا کر وہ الگ سے خدا کا ذکر کرنے لگا۔ اور ان مقاصد زندگی اور ان قوانین اخلاقی اور ان ضوابط شرعی کی تعلیم حاصل کرے گا۔ جنہیں آپ دنیات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو اس کی سمجھ میں نہ آئے گا۔ کہ اس نقشے میں خدا کو اور اس سے تعلق رکھنے والی ان ساری چیزوں کو کہاں جگہ دلاں پہلے تو اسے خدا کی ہستی کا ثبوت ہی درکار ہوگا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت مانگے گا کہ مجھے اس کی ہدایت درکار بھی ہے۔ اور اس کے پاس سے ہدایت آتی بھی ہے یا نہیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد بھی اس کے لئے اپنی دنیوی معاملات کو اس نئی چیز کے ساتھ یکجان کر کے ایک ہمزنگ نقشہ بنانا مشکل ہوگا۔ وہ خواہ کتنا ہی سچپتہ ایمان لے آئے۔ مگر ہر حال اس کے لئے دین عین اس کی زندگی نہ ہوگا۔ بلکہ زندگی کا ایک ضمیمہ ہی بن کر رہ جائیگا۔

بیان میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے

تیرے دماغ میں بتہا نہ ہو تو کیا کہئے!

یہ ساری خرابی دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم کا نتیجہ ہے۔ اور یہ تقسیم بالکل اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔ نئے نظام تعلیم میں دنیات کے الگ کورسوں کی

تعمدوت نہیں۔ بلکہ سارے کورس کو دنیاویات کے کورس میں تبدیل کر دینا چاہیے۔  
 شریعہ ہی سے ہر ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرائیے۔ کہ گویا وہ  
 خدا کی سلطنت میں ہے۔ اس کے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات  
 پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر چیز میں۔ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہے ہیں اس کا  
 اندہ ہر شے کو براہ راست تعلق خدا اور عالم سے ہے جو آسمان سے زمین تک  
 تمام معاملات دنیا کی تدبیر کر رہا ہے۔ دنیا میں جتنی باتیں اس کو حاصل ہیں۔ اور  
 جو اشیا اس کے لئے مستحضر ہیں۔ سب کی سب خدا نے اس کو دی ہیں۔ ان سب  
 سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اسے کام لینا ہے۔ اور  
 اپنے اس کام کی جواب دہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

ابتدائی مراحل میں تو کوئی دوسرا نقطہ نظر طالب علم کے سامنے آنا ہی نہیں  
 چاہیے۔ البتہ بعد کے مراحل میں تمام علوم اس کے سامنے اس طرح آنے چاہئیں  
 کہ معلومات کی ترتیب، حقائق کی توجیہ، اور واقعات کی تعبیر تو بالکل اسلامی  
 نقطہ نظر سے ہو۔ مگر اس کے مخالف تمام دوسرے نظریات بھی پوری تنقید و تنقیح  
 کے ساتھ اس حیثیت سے اس کے سامنے رکھ دئے جائیں۔ کہ یہ ضالین اور  
 مضبوط علیہ ہونے کے نظریات ہیں۔ اسی طرح عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے  
 جمہوری علوم کی بنیادیں تو مقصدِ حیات، اصول اخلاق اور مذاہم عمل اسلام کے  
 پیوست کئے جائیں۔ اور دوسروں کے اصول اور طریقے اس حیثیت سے طالب علم کو

پڑھائے جائیں۔ کہ ان کی فکری اساس، منہج و مقصد، اور راہ و عمل اسلام سے  
 کتنی اور کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ ہے۔ تمام علوم کو اپنی علوم میں تبدیل  
 کرنے کا۔ اور اس طریقہ سے تعلیم دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ بنیات  
 کے لئے کسی نلیحہ کو رس کی کوئی حاجت ہی پیش نہیں آسکتی۔  
 انسان کی ہوس نے جسے رکنا تھا چھپا کر  
 کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار!

# امامت کی تعلیم

میترا اسکو ہو سکتی ہے یہ دنیا نہ وہ دنیا  
مسلمان ہو کے جو پابندِ قرآن ہو نہیں سکتا!

حصولِ امامت کیلئے جو نظامِ تعلیم درکار ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ  
ہو کہ اس میں سرطالِ علم کو مجروحہ علوم بنانے کے بعد ہر ایک کو "مولانا" اور ہر ایک  
کو جملہ مسائل میں فتویٰ کا مجاز قرار دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے ختم کر دیا  
جائے۔ اور اس کی جگہ اختصاصی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو سالہا  
سال کے تجربات کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔ انسان کا علم اب اتنی ترقی  
کر چکا ہے۔ اور اتنے شعبے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی ایک شخص کا ان سب کو  
پڑھنا محال ہے۔ اور اگر تمام علوم میں محض معمولی سی شراہ سے کرا دی جائے  
تو وہ کسی شعبہ علم میں بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کی بجائے بہتر یہ ہے کہ پہلے  
آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور  
زندگی کے متعلق جتنی معلومات کم سے کم حاصل ہونی ضروری ہیں۔ وہ اسکی خالص



اسلامی نقطہ نظر سے دے دی جائیں۔ اس کے ذہن میں کائنات کا وہ تصور  
 بیٹھ جائے۔ زندگی کا وہ خاکہ جم جائے جو ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہیے۔ علی  
 زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات اسے حاصل ہو جائیں جن کی ایک آدمی کو ضرورت  
 ہوتی ہے۔ اور وہ ان سب چیزوں کو ایک مسلمان کے طریقہ سے برتنے کے لئے  
 تیار ہو جائے۔ اسے اپنی مادری زبان بھی آجائے۔ عربی زبان بھی وہ اتنی جان  
 لے کہ آگے مزید مطالعہ میں اسے مدد مل سکے۔ اور کسی ایک یورپین زبان سے بھی  
 واقف ہو جائے۔ تاکہ معلومات کے اس وسیع ذخیرہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ جو ان  
 زبانوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد اختصاصی تعلیم کے الگ کورس ہوں جن میں  
 چھ یا سات سال کی محققانہ تربیت حاصل کر کے ایک طالب علم اس شعبہ علم کو  
 ڈاکٹر قرار دیا جائے۔ جس کی تسلیم اس نے حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر میں  
 چند شعبوں اور ان کے طریق تعلیم کی تشریح کر دوں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے  
 کہ میرے ذہن میں اس اختصاصی تعلیم کا کیا نقشہ ہے۔

فطرت نے باغ و بہر میں کیا لیا کھدائے گل

غنجوں کے دل میں بھر کے تمنائے انقلاب!

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ اس شعبہ میں  
 طالب علم کو پہلے قرآن کا علم پڑھایا جائے۔ تاکہ اس ذریعہ سے وہ معلوم کرے  
 کہ انسانی حواس سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کی تہ میں حقائق کی جستجو کرنے کی

کیا سہل ہے عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے۔ اور کن حدود سے وہ محدود  
 ہے۔ مجرد اسندلیل پر تخیلات کی بنیاد کھڑی کرنے میں کس طرح انسان واقعات  
 اور حقیقت کی دنیا سے الگ ہو کر خیالات کی تاریک دنیا میں گم ہو جاتا ہے البعد  
 الطبعی امور کے متعلق کتنا علم انسان کے لئے فی الواقع ضروری ہے۔ اس ضروری  
 علم تک پہنچنے میں مشاہدہ (Observation) اور استنباط (Induction) سے  
 کس طرح کام لینا چاہیے۔ کن امور البعد الطبعی کا تعین ہم کر سکتے ہیں۔ کن کے  
 متعلق ایک عمل اور مطلق حکم سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے۔ اور کہاں پہنچ کر اجمال و تفصیل  
 سے بدلنے یا اطلاق کو تقید میں تبدیل کرنے کی کوشش نہ صرف بے بنیاد ہو جاتی ہے  
 بلکہ انسان کو خیالات لاعلمی کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیتی ہے۔ اس بنیاد کو مستحکم کرنے  
 کے بعد طالب علم کو تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کرایا جائے۔ اور یہاں قرآنی فلسفہ کی روش  
 سے اس کو تمام مذاہب فلسفہ کی سیر کرا دی جائے تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ عقائد تک  
 پہنچنے کے جزو راجع انسان کو دئے گئے تھے۔ ان سے کام نہ لے کر یا ان سے غلط طریقہ  
 پر کام لے کر کس طرح انسان بھٹکتا رہے۔ کس طرح اس نے اوہام کو حقیقت سمجھا۔  
 اور اس کے سطور اس کی زندگی متاثر ہوئی۔ اور کس طرح اس نے اپنی پہنچ سے ماوراء  
 چیزوں کے متعلق و جہالاً بالصب حکم لگائے۔ اور اس کے کیا اثرات زندگی پر مرتب  
 ہوئے۔ کس طرح اس نے اپنے حواس اور اپنی عقل کی بارگاہ تعین کئے بغیر ان حقیقتوں کا  
 تعین کرنے میں اپنا وقت ضائع کیا۔ جن بات تعین اس کے بس کی چیز ہی نہ تھیں کہاں

ہندو فلسفیوں نے بھی کرکھائی۔ کہاں سے یونانی فلسفہ چھٹکا۔ کہاں مسلمان فلاسفر  
قرآن کی بتائی ہوئی راہوں سے ہٹ کر نکل گئے۔ منکمرین کے مختلف اسکولوں نے  
صدیوں تک جن مسائل پر بحثیں کیں۔ ان میں قرآن کی رہنمائی سے کہاں کہاں اور  
کتنا کتنا تجاوز کیا۔ فلسفیانہ تصوف کے مختلف مذاہب نے مجمل کو مفصل اور مطلق  
کو تنقید بنانے کی کس طرح کوششیں کیں۔ اور وہ کس قدر غلط تھیں۔ یورپ میں  
فلسفیانہ تفکر نے کیا کیا داہیں اٹھیا رکیں۔ ایک ہی حقیقت کی جستجو میں کتنے  
مختلف مذاہب بن گئے۔ ان مختلف مذاہب میں حق کتنا ہے اور باطل کی آمیزش  
کتنی ہوئی۔ اور کن راہوں سے آئی دکون سے مابعد الطبعی تصورات ہیں جنہوں نے  
یورپ میں جڑ بکری ہے۔ ان سے اخلاق و اعمال پر کیا اثرات مترتب ہوئے  
ہیں۔ اور اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ تو عنوان دماغی کاوشوں  
میں وقت ضائع کرنے اور غلط بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کرنے سے کس طرح دنیا  
بچ سکتی تھی۔ اس تمام مطالبہ کے بعد طالب علم اپنی تحقیق کے نتائج مرتب کرے  
اور جب اہل علم کی جوڑ و تنقید کے بعد وہ اپنا کامل الفن ہونا ثابت کر دے تو  
اس کو فلسفہ میں فضیلت کی سند دے کر چھوڑ دیا جائے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!

ایک دوسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ، مقصدی مطالعہ

تاریخ، اور طرز مطالعہ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔ تاکہ اس کے  
 قلب سے تمام تعصبات نکل جائیں۔ وہ حقائق کو بے رنگ نگاہ سے دیکھنے اور  
 ان سے بے لاگ نتائج اخذ کرنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ نوع انسانی کی سر  
 گذشت اور تہذیب انسانی کے نشوونما اور تمام کام مطالعہ کیسے انسان کی تاریخ و  
 خسران اور سعادت و شقاوت اور عروج و زوال کے مستقل اصول مستنبط کرے۔  
 عداوت ایام بین الناس میں بڑھناگ پر اور حسن مذاہب کے مطابق ہوتی ہے اسے  
 معلوم کرے جو اعداوت انسان کو اور پورا کھولتے ہیں۔ اور جو اسے نیچے گرا دیتے  
 ہیں۔ ان سے واقف ہو۔ اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے۔ کہ کس طرح فطرت کا  
 ایک خط مستقیم ابتدا سے آج تک سیدھا کھینچا ہوا نظر آتا ہے جو انسان  
 کی ترقی کا اصل راستہ ہے۔ اس خط سے ہٹ کر جو بھی دائیں یا بائیں جانب  
 دوز نکل گیا۔ اسے یا تو تھپتھرا کر اسی کی طرف بلینا پڑتا ہے۔ ورنہ پھر ایسا کھینکا گیا۔ کہ  
 اس کا پتہ نشان نہ بلا۔ اس طرز مطالعہ سے جب طالب علم کو معلوم ہو جائے گا  
 کہ خدا کا قانون کس قدر بے لاگ ہے۔ اور کسی غیر جانبداری کے ساتھ اس لئے قوموں  
 سے معاملہ کیا ہے۔ تو کوئی قوم بھی نہ اسکی جہتی رہے گی اور نہ کسی کے خلاف اس  
 کے دل میں نفسانی عداوت کا جذبہ رہے گا۔ جس قوم کے کارنامے پر بھی وہ نظر  
 ڈالے گا بے لاگ طریقہ پر ڈالے گا۔ اور فلاح و خسران کے ابدی اصولوں کی کسوٹی  
 پر کس کو کھڑے کو الگ اور کھولے کو الگ کر کے سامنے رکھ دینگا۔ اس ترمیم مذہبی

کے بعد اسے تاریخی دستاویزوں اور آثارِ قدیمہ اور ماخذِ اصلیہ سے بطور خود  
نتائج اخذ کرنے کی مشق کرائی جائے اور اتنا تیار کر دیا جائے کہ وہ حساب  
مؤرخین کے چڑھائے ہوئے ردوں سے اصل حقائق کو الگ کر کے خود بے لاگ  
وہیں قائم کر سکے۔

زہیں کیا آسماں بھی تیری کج معنی پہ روتا ہے  
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو لے!

ایک اور شعبہ علومِ عمرانی (Social Sciences) کا ہونا چاہیے۔ اس میں  
پہلے قرآن اور احادیث سے انسانی تمدن کے بنیادی اصول بتائے جائیں۔ پھر تفصیل  
کے ساتھ اصول سے فروع کا استنباط کر کے اور انبیاء کی رہنمائی میں جو تمدن بنے  
تھے۔ ان کے نظائر سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان قواعد  
اصلیہ (Fundamental principles) پر کس طرح ایک صحیح نظام  
معاشرت، نظامِ معیشت، نظامِ سیاست، تدبیرِ مملکت، اور تعلقاتِ بین  
الاقوامی کی عمارت اٹھتی ہے۔ پھر یہ بتایا جائے کہ کس طرح انہی اصولوں پر اس عمارت  
کی مزید توسیع ہو سکتی ہے۔ اور اجتہاد سے توسیع کا نقشہ مرتب کرنے کا کیا طریقہ ہے  
اور انسانی علم کی ترقی سے جو نئی قوتیں دریافت ہوتی ہیں۔ اور تمدن کے فطری نشوونما  
سے جو نئے طرزِ عمل پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر  
رہتے ہوئے اس صحیح تمدن میں جذب کرنے اور اپنے اپنے ٹھیک مقام پر رکھنے کی

کیا صورت ہے۔ اس کے ایک طرف طالب علم کو کچھ توہینوں اور مسلمانان کی تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ دیکھے کہ تمدن کے ان اساسی اصول اور الہی حدود کے قریب رہتے اور ان سے انحراف کرنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں اور دوسری طرف اسے دور جدید کے سیاسی، معاشی، اجتماعی نظریات و عملیات کا تنقیدی مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ یہ بھی دیکھ لے کہ انسان نے الہی ہدایت سے بے نیاز بن کر بطور خود اپنی زندگی کے لئے جو راستے تجویز کئے ہیں وہ کہاں تک اس کے لئے موجب سعادت و شقاوت ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقہانِ حرم بے توفیق!

سائنس کی مختلف شاخوں کے نئے نئے شعبے علیحدہ ہونے چاہئیں۔ جن میں

قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک کی جمع شدہ سائنسی معلومات

کا جائزہ لیا جائے۔ بلکہ آثارِ فطرت کے مزید مشاہدے اور قوانینِ فطرت کی مزید

دریافت کا کام بھی، وہی خطوط پر لکھا جائے جو قرآن نے کھینچ رکھے ہیں۔ اگر یہ

کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ نہ اس کے موضوع کا براہِ راست سائنس سے کوئی

تعلق ہے۔ لیکن چونکہ یہ اسی مصنف کی تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف

کیا ہے۔ اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و

استدھار کا کام لیتا ہے۔ اس لئے اس کے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم کو

نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی دارمولا معلوم ہو جاتا ہے۔ بلکہ قریب قریب ہر  
 شعبہ علم میں اسے ایک صحیح نقطہ نظر (Starting Point) اور تلاش و  
 تجسس کے لئے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید  
 (Master Key) ہے جس سے تحقیق کا سدھارا سستہ عمارت کھل جاتا ہے۔  
 جس کی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے۔ تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کے سلجھانے  
 اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں نہ ضائع ہو۔ موجودہ سائنس کی گمراہی کا ایک  
 بڑا سبب یہ ہے۔ کہ وہ حقائق و اعمیہ کے مشاہدے کی حد تک تو ٹھیک رہتا ہے  
 مگر جب ان حقائق کو جوڑ کر ان سے نظریات بناتا ہے۔ تو کائنات فطرت کے مبداء و  
 قیامت سے ناواقف ہونے کے باعث ٹھوکریں کھاتا چلا جاتا ہے۔ اور اس سے نہ  
 صرف بہت سی انسانی قوت ضائع ہوتی ہے۔ بلکہ ان ناپید نظریات کو جب انسانی  
 تمدن میں جذب کر کے عملیات کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے۔ تو وہ فساد تمدن کی  
 موجب ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں جب ایک مسلم سائنسٹ ثابت شدہ  
 حقائق کو نظریات سے الگ کر کے مرتب کرے گا۔ اور مزید حقائق دریافت کر کے  
 ان سے بہتر نظریات نکال کر بتائے گا تو کوئی دیر نہیں۔ کہ دنیا ان سائنسٹوں کو  
 کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ جن میں آج وہ مبتلا ہے۔

نظر برہر چہ انکستدیم واللہ

نیادہ در نظر بارہا جز اللہ

جن علوم کو اس وقت علوم دینی کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے بھی الگ الگ شعبے مخصوص ہوتے چاہئیں۔ مثلاً ایک شعبہ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کا ہو جس میں پچھلے مفسرین کے کام کا جائزہ لینے کے بعد آگے مزید کام کیا جائے۔ مختلف پہلوؤں سے قرآن کی گرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے۔ اور علوم انسانی کے تمام شعبوں سے استفادہ کر کے قرآن میں مزید بصیرت حاصل کی جائے۔ اسی طرح ایک شعبہ علم حدیث کا ہونا چاہیے۔ جس میں قدیم محدثین کے کام سے پورا فائدہ اٹھانے کے بعد حدیث میں تحقیق، تنقید، ترتیب معلومات اور اخذ نتائج کا مزید کام کیا جائے۔ دوسرے سعادت کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات دھونڈ دھونڈ کر نکالی جائیں۔ اور ان سے وہ نتائج اخذ کئے جائیں۔ جو اب تک ہمارے علم سے مخفی ہیں۔ ایک شعبہ قانون کا ہونا چاہیے۔ جس میں قرآن کے احکام، حدیث نبوی کی قوی و مہملی تشریحات، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اجتہادات اور ائمہ مجتہدین کے طرز استنباط اور جزئیات میں ان کی تشریحات کا مفصل تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔ نیز دنیا کی دوسری پرانی اور نئی قوموں کے قوانین اور قانونی نظامات پر بھی گہری نظر رکھی جائے۔ اور زندگی کے روز بروز بدلنے والے معاملات و مسائل پر اعلیٰ قانون اسلامی کو منطبق کر کے فقہ کے ان حصوں کو پھر سے رواں کیا جائے۔ جو صدیوں سے سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ شعبے نہ صرف بجائے قد بہت عظیم الشان کام انجام دینگے بلکہ دوسرے تمام شعبوں کو بھی



کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے متعلق انہی سے وہ مواد ملے گا جس کی بنیاد

پر علم کی تمام راہوں میں تحقیق و اکتشاف کا کام چلایا جائے۔

سا اندکے گم نشود در قرآن و خبر

بازائے نادان بخوش اندر نگر!

# اممت کی تکمیل

جس کھیت سے وہ ہتھکان کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو !

اممت کی تعلیم کے عنوان کے تحت نئے نظام تعلیم کے چند شعبوں کا

تمثیلاً ذکر کر دیا گیا ہے۔ جس سے پورے نقشے کی تفصیلات کا تصور آسانی

حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نئے نظام تعلیم کی آخری اور سب سے اہم خصوصیت

یہ ہے کہ اس میں وہ بے مقصد تعلیم نہ ہو۔ جو آج کل ہندوستان میں وی جا رہی

ہے۔ بلکہ اس میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے ایک

متعین اور واضح مقصد زندگی اور منہائے سعی و عمل ہو۔ یعنی یہ کہ ان سب کو

مسدک خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لئے جہاد کبیر کرنا ہے۔ یہ

مقصد اس نظام کی ہر چیز میں اسی طرح کام کرے گا جس طرح انسانی جسم کے

ہر رگ اور ہر دیشے اور ہر حرکت میں اس کی روح کام کرتی ہے۔ طلباء کی شخصی

زندگی، ان کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات اور ان کے درس و

تدریس اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کار فرمائی ہوگی۔ اس کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائیگی۔ اس پر ان کے اخلاق ڈھالے جائیں گے۔ اور تمام ماحول ایسا بنایا جائے گا۔ کہ ہر شخص کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں تبدیل کر دے۔

مجاہد کے لہو سے بڑھ کے عالم کی سیاہی ہے

کہ اس کا نکتہ نکتہ رزمکش گلزار ہوتا ہے!

اس قسم کی تربیت اور اس قسم کی تعلیم پا کر جو لوگ تیار ہوں گے۔ ان میں یہ طاقت ہوگی۔ کہ ان واقعات کی رفتار بدل دیں۔ ان کی محققانہ تنقیدِ جاہلیت کے علوم اور جاہلیت کی تہذیب کی ساری بنیادیں کو ہلا دے گی۔ ان کے مددگار بننے میں اتنا زور ہوگا۔ کہ جو لوگ آج جاہلیت کے نقطہ نظر پر جمے ہوئے ہیں۔ ان کو وہ اسلامی نقطہ نظر کی طرف پھیر لائیں گے۔ ان کی تحقیق کے نتائج یورپ اور امریکہ اور روس تک کو متاثر کر دیں گے۔ اور ہر طرف سے مستغول انسانان کے نظریات کی طرف کھینچے پلے آئیں گے۔ ان کا مرتب کیا ہوا نظریہ حیات اور لائحہ زندگی اتنی قوت کے ساتھ فکر و نظر کی دنیا پر چھا جائے گا۔ کہ عمل کی دنیا میں اس کے خلاف کسی دوسرے لائحہ زندگی کا چلنا مشکل ہوگا۔ پھر اسی تعلیم سے اس سیرت اور اس عزم کے لوگ پیدا ہوں گے۔ جو امامت کے نظام میں عملاً انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ اس انقلاب کے فن کو بھی

جانتے ہو گئے۔ ان میں اس کے برپا کرنے کا مضبوط داعیہ بھی ہوگا۔ اور انہیں اپنی انقلابی تحریک کے خالص اسلامی راہوں پر چلانا بھی آتا ہوگا۔ پھر انہیں میں بہ اہلیت بھی ہوگی کہ کامیابی کی منزل پر پہنچ کر اسلامی اصول کے مطابق ایک اسٹیٹ ایک مکمل نظام تمدن کے ساتھ بنا کر کھڑا کریں جس کی شکل اور طرح اسلامی ہو۔ اور جو دنیا میں امامت کرنے کی پوری طاقت و صلاحیت رکھتا

ہو۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے  
اسکو کیا سمجھیں، یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

امامتِ حضرتِ محمدی

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

وہ سجدہ حسین ہے، ملت کی زندگی کا پیام

# مساجد کی اہمیت

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھو بلا سے نہ پوچھو  
 ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم!  
 مساجد خانہ خدا ہیں۔ بیت اللہ ہیں۔ عبادت گاہ ہیں۔ صرف اللہ کیلئے  
 ہیں۔ مسلمان پانچوں وقت میں انہیں میں نماز پڑھتے اور سر جھکانے پر مامور ہیں۔  
 گھر کی نماز سے، دوکان کی نماز سے اور صحرا کی نماز سے مساجد کی نماز پابست  
 اجر عظیم ہے۔ مسجدوں کے ذریعے سے مسلمانوں کو زندہ کرنے کی تجویز عرصے سے  
 مسلمانوں کے سامنے رہی ہے۔ مسلمانوں کو یورپ اور ادراب و ملن کی غلامی سے  
 آزاد کرانے اور زندہ کرنے کا طریقہ یورپ کی تقلید اور قومیت کا جذبہ پیدا کرنا  
 نہیں۔ بلکہ مسلمان آج اسی طرح زندہ ہو سکتا ہے جس طرح وہ آج سے ساڑھے  
 تیرہ سو سال پیشتر گوشہ گمنامی سے نکلا تھا۔ جس کا تمام دار و مدار مذہبی اصلاح  
 پر ہے۔ اور مذہبی اصلاح کا دار و مدار مسجدوں میں اچھے امام رکھنے پر ہے۔ علماء  
 کا وہ طبقہ جو ہر اصلاح کو الحاد سمجھتا ہے۔ امام بننے کے قابل نہیں۔

مسجد میں چھپ کے بیٹھ گیا اپنا ہر امام

اور ہو گیا جہاد مسلمان پر حرام!

جو لوگ مسلمان قوم کو میدان کرتے کے لئے مسجد کی اہمیت سے انکار کرتے

ہیں وہ مسلمان قوم کو سر سے سے سمجھتے ہی نہیں مسلمان سیاسی ہنگاموں اور نیڈوں

کی سُنسنی پیدا کرنے والی تقریروں سے زندہ نہیں ہو سکتے مسلمانوں کو یہ کہنا کہ

تم مذہب اور ریاست کو دو الگ الگ چیزیں سمجھو۔ اور مذہب کو شخصی مسئلہ

جان کر اسے اپنے اور اپنے رب کے رشتے تک محدود رہنے دو۔ انہیں اپنی طرف

بلانا نہیں بلکہ متنفر کرنا ہے۔ اسلام کے اثرات مسلمانوں کے رگ و ریشے

میں سرایت کر چکے ہیں۔ اور ان کی قومی زندگی اسلامی روایات سے کچھ اس طرح

پیوست ہو چکی ہے۔ کہ ان سے اسلامی روایات سے علیحدگی کا مطالبہ کرنا ان کے

اپنے آپ سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا اگر تم مسلمانوں کو زندہ اور

غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتے ہو۔ تو ہر مسجد کو اپنا مرکز بناؤ۔ مسجدوں کے ذریعے

ہر مسلمان تک اپنے خیالات پہنچاؤ۔ کیونکہ مسلمان کے دل تک رسائی حاصل کرنے

کے لئے مسجد سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

آج سے سارے تیرہ سو سال پیشتر آقا سے نامدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اہل مکہ کو اسلام کا پیغام دیتے ہیں۔ اور اس پیغام کو سن کر حبیب ایک سعادت مند

جماعت ان پر ایمان لے آئی ہے۔ تو آپ کے ایک فدائی کا نظر اس چھوٹی سی جماعت



مرکز بنتا ہے۔ جہاں یہ لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اندر میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد تھی۔ مکہ کے تیسرے برس اسلام نے نہایت لمبے لمبے میں گزارے۔ مدینہ پہنچتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا۔ کہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد صحیح معنوں میں مدینہ کی زندگی کا سرچشمہ تھی۔ جہاں سے ہر مسلمان کی رگوں میں زندگی کا خون پہنچتا تھا۔ اور ہر مسلمان کی حاضری وقت مقررہ پر وہاں لازمی تھی۔ اس مبارک مہد میں مسلمانوں کی وہ مسجد محض مسجد گاہ نہ تھی۔ بلکہ وہ حکومت کا مرکز، مشاورت کی جگہ، عدالت کا مکروہ اور تعلیم کے لئے مدرسہ تھا۔ جہاں قرآن و حدیث کے علاوہ فلسفہ، ریاضی اور دیگر تمام علوم متداولہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں

کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ !

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ، دولت امویہ اور بنی عباس کے ابتدائی دور حکومت میں مسجد کی یہ اسلامی حیثیت برقرار رہی۔ خلیفہ کا فرض تھا۔ کہ دارالخطابہ میں جمعہ کی نماز خود پڑھائے۔ اور دوسرے شہروں میں اس کے نائب امام ہوں۔ حکومتوں کے فیصلے میدان جنگ میں نیزہ و تلوار سے طے پاتے تو قوم کے اس فیصلے کو منوانے کے لئے مسجد سے رضامندی حاصل کی جاتی تھی۔ مگر فی زمانہ مسلمانوں کی مسجدیں محض سجدہ گاہیں بن کر رہ گئی ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ مسلمانوں کی مسجدیں محض عبادت گاہیں ہی نہیں۔ بلکہ

سیاست نکالیں بھی ہوں۔ ان کا مذہبی امام ہی ان کا سیاسی امام ہو۔ غرضیکہ مسلمانوں کی مذہبی، اجتماعی، تمدنی اور سیاسی الغرض تمام جماعتی سرگرمیوں کا مرکز مسجد ہو۔ لہذا اب مساجد کو کم نظر، زاویہ نشین، اور معاملات دنیا سے بے خبر لوگوں کے ہاتھ میں رہنے دینا سب سے بڑی غلطی ہے۔ اور جب تک اس غلطی کی اصلاح نہ کی جائے گی۔ ہماری ترقی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ ایک زندگی اور ترقی کی راہ۔ دوسری تباہی اور بربادی کی راہ۔ اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور آگے بڑھنے کی خواہش سے۔ تو انہیں چاہئے۔ کہ اپنی اصلاح کریں۔ اپنی جماعت کو اسلامی طریق پر منظم کریں۔ ان میں سچا اسلامی جذبہ پیدا کریں۔ ملت میں وحدتِ افکار کی تخلیق کریں۔ اور سب کی باگ ڈور ایک ہی قائدِ عظیم کے سپرد کریں۔ اور یہ سب چیزیں صرف اس وقت پوری ہوسکتی ہیں۔ جبکہ مساجد کو اس اصلاحی تحریک کا مرکز بنایا جائے۔

بے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت

وحدت ہر فتنہ جس سے، وہ التام بھی الحاد

# امام کا عہدہ

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور  
 ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر!  
 امامت کا مستحق وہ شخص ہے۔ جو نماز کی حقیقت، ارکان و آداب، اور  
 صحت و فساد کے تمام مسائل جانتا ہو۔ قرأت مستونانہ سے اچھی طرح واقف ہو۔  
 قرآن کریم صحیح پڑھنا جانتا ہو۔ اگر قاری ہو تو بہتر ہے۔ متقی اور پرہیزگار ہو۔ خوش  
 اخلاق ہو۔ وحیج اور خوبصورت ہو۔ شرافت نسبی رکھتا ہو۔ کمالات ذوقی کا حامل ہو۔  
 اور ستید ہو تو افضل ہے۔ علاوہ اس کے آنحضرت کے اسوۂ حسنہ کا پورا پورا منظر  
 ہو۔ کمالات محمدیہ کا صحیح مترجم ہو۔ اسی حال محمدی کو سب سے پہلے اپنا حال بنائے  
 اور پھر قبل و فعل محمدی کی تبلیغ کو اپنا فرض قرار دے۔

مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں میں مسئلہ امامت کے متعلق بڑی بے احتیاطی  
 اور جہالت برتی جاتی ہے۔ اور امامت و اقتداء دونوں کی مٹی پلید ہو رہی ہے  
 ساری دنیا کے نکتے، جمہوری، جاہل، اندھے، لنگڑے اور ناڑی مسجدوں میں بھرے

ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور حسب و نسب کی تو پوچھ ہی کیا ہے۔ بتاؤ! جس قوم کے امام جاہل و کاہل ہوں۔ وہ دنیا میں کیا خاک ترقی کر سکتی ہے۔ جیسی تو مسجدوں میں وہ ہدایت و سعادت کا نور نہیں پھیلتا۔ جو زمانہ سافت میں پھیلتا تھا۔ آہ! مسجدیں تو کسی قدر آباد ہیں۔ مگر ان میں ہدایت کا نور نہیں۔ کیونکہ ممبروں پر کندہ نازش و شرے ہوئے ہیں۔

امامت کا معیار مسلمانوں کی ابتدائی زندگی میں بہت بلند تھا۔ اور جس قدر یہ زیادہ اہم تھا۔ اب اسی قدر غیر اہم ہو گیا ہے۔ جس منصب کے لئے بہتر سے بہتر آدمی منتخب کرنے کا حکم تھا۔ اب اس کے لئے بدتر آدمی چھانٹنا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ذہن میں اب امام کا تصور یہ ہے۔ کہ جو شخص دنیا کے کسی اور کام کا تہ ہو۔ مسجد کا امام وہ بھی ہو سکتا ہے۔ دس پانچ روپے تنخواہ اور دونوں وقت کی روٹی مقرر کر دی اور کوئی نیم خواندہ امام رکھ لیا۔ امامت کو اس قدر پست کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری مسجدیں وہی مسجدیں جنہوں نے کبھی ہماری قوم کے تصرفات بوس کی تعمیر کی تھی۔ آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو بے علم، تنگ نظر، پست جوصلہ اور ذہنی الاخلاق ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے مسلمانوں کی رہنمائی کی جو امید ہو سکتی ہے۔ وہ آپ جانتے ہیں۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے

اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کست کے امام

دوسرے علماء کا طبقہ ہے۔ اور باستثناء چند اس طبقہ کے سوا بڑا عظیم کاجو  
 حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے  
 ان میں کا ہر شخص اپنے لئے ایک الگ مشرب رکھتا ہے۔ اور اپنے مشرب میں  
 اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے  
 نزدیک گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے ان کی زبان میں ایک ڈنگ رکھ دیا  
 ہے۔ جس سے دلوں کو زخمی کئے بغیر وہ کوئی بات نہیں کر سکتا۔ وہ جس ماحول سے  
 تعلیم و تربیت پا کر آتا ہے۔ اور جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے۔ وہاں دین کے  
 ضہات اور قوم کے مصالح کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کی تمام دلچسپیاں سمٹ  
 کر خند چھوٹی چھوٹی تزاہی باتوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے لامحالہ وہ جب  
 زبان کھولے گا۔ انہی مسائل پر کھولے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ کے گھر میں  
 گالی گلوتج اور جوتی پزار ہوگی۔ اور ہر طرف سر پھٹول ہوگی۔

پس یہ تو مذہبی ذہنیت رکھنے والوں کا حال ہے۔ اب جدید تعلیمیافتہ  
 طبقہ پر نگاہ ڈالو۔ تو وہ ان مسائل سے پوری طرح دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان پر  
 ایک اور مصیبت سوار ہے۔ کہ وہ اپنی تقاریر میں اکثر چھوٹی روایتیں اور  
 لاطائف کہانیاں اور احکام اسلام کی غلط تعبیریں کر جاتے ہیں۔ کہ  
 جن کو شکر ظہیر مسلمانوں کا مسلمان ہونا تو درکنار، ذی ہوش مسلمانوں کا  
 مسلمان رہنا بھی دشوار ہے۔ پس امامت کی ذمہ داری وہی جماعت

اپنے سر کے شکنی ہے اور امامت کا عہدہ اسی کے لئے سزاوار ہے  
 جو معتدل مزاج رکھتی ہو۔ اور ان کے پاس خطبات کا ایسا مجموعہ ہو جو  
 نزاعی مسائل سے پاک ہو اور مسلمانوں میں صحیح دینی روح پھونکنے والے  
 ہوں۔

غالب طلوع فکر یہ غفلت کی رات ہے  
 اس سے عجیب تر بھی کوئی اور بات ہے

# امام کی ذمہ داری

سویار کی کہی ہوئی باتوں کو کیا کہیں؟  
کس بات کو عجیب کہیں یا نسیا کہیں!

امام ہمیشہ اپنے رسول کا جانشین ہوتا ہے۔ اس لئے امامت کے فرائض میں مسلمانوں کے ان تمام شعبہ ہائے زندگی کا انتظام و انصرام داخل ہے۔ جن کی باگ ڈور خود رسول اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور منجملہ ان تمام فرائض کے امام کا سب سے بڑا فرض اقامتِ دین ہے۔ اور مذہب، اخلاق، سیاست وغیرہ تمام چیزیں امامت کے دائرہ اقتدار میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کی اشاعت، تبلیغ، قرآنی احکام و احکام کا اجراء و نفاذ، مساجد کی آبادی و نگرانی، اسلامی عقائد و ارکان کی تشریح، اسلامی اصولوں کی فلاسفی، قومی تنزلی کے اسباب اور ان کا علاج، قوم کی ترقی کے وسائل اور ان کا حصول اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرنا سب امور امامت کے فرائض میں داخل ہیں۔

اسلام نے امامت پر اس لئے زور دیا ہے کہ اسلام میں اتوت اور سادات

پیدا ہو مسلمانوں کو ایک خیال اور ایک ذہنیت پر لانے کی تحریک کی جائے  
 تمام مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہو۔ مرکزیت اسلام پیدا ہو مسلمانوں کے اجتماعی  
 کام سرانجام ہوں۔ ان کی دینی و دنیوی ضروریات کا حقد پوری ہوں۔ یہ  
 فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں  
 موج ہے دریا میں، اور بیرون دریا کچھ نہیں!

امام تمام مقتدیوں کے قلوب کا مالک ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "وَإِن فِي الْجَسَدِ مُضَغَةً، إِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ  
 الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، إِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ"  
 یعنی دل انسان کے جسم میں ایک ایسا عضو ہے کہ جب وہ درست ہو تو تمام  
 جسم درست رہتا ہے۔ اور اگر اس میں کوئی خرابی آجائے تو تمام جسم کے خلل کا  
 موجب ہوتی ہے۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں یہ

کعبہ نبی و خلیل آفر است      دل گذر گاہِ خلیل اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است      دل بدست آفر کعبہ اکبر است

نماز باجماعت میں پس یہی بات ہوتی ہے کہ تمام مقتدیوں کے قلوب امام  
 کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ اور مقتدیوں کے قلوب میں امام کی وقعت ہوتی ہے یہ  
 ایک ایسا زبردست رابطہ ہے کہ اس کی بدولت بہت کچھ اصلاح کی توقع  
 کی جا سکتی ہے۔ اسی لئے جماعت کے ساتھ نماز گزارنے کا حکم نہایت تاکید



کے ساتھ دیا گیا ہے۔ تنہا انسان کوئی اہم تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک جماعت کی تدبیر سے کسی معاملہ کا کوئی پہلو فرو گذاشت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جماعت کی سخت ضرورت ہے۔ اور اسی سے قومیت کی بنیاد مستحکم ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی امامت و قیادت کسی باہر فن امام کے ہاتھ میں ہو۔ جو قوم کے تعمیری کام کی پوری پوری اہلیت رکھتا ہو۔ اور قوم کی اندرونی امراض کی تشخیص کر کے ان کے تدارک کے لئے بہترین نسخہ تجویز کر سکتا ہو۔ اور افراد قوم میں عملی روح پھونک کر اقدام عمل کی طرف ان کی رہنمائی کر سکتا ہو۔

سو اس کے لئے سب سے پہلے اپنی عقل کو تنگ خرافات سے پاک کر۔ ہر دینی عقائد کو دلائل و براہین سے محکم کر کے یقین کا درجہ حاصل کرو۔ نہ ہی امور میں ظن و گمان کی بجائے دلیل و عقل کو دستاویز بناؤ۔ شک کی جگہ یقین اور اضطراب کی جگہ امن و سکون پیدا کرو۔ عقل کی رہنمائی اور ناخن تدبیر سے اپنی مشکلات کو عبور کرو۔ نظر و استدلال کی اہلیت پیدا کرو۔ اور نور عقل کو نور نبوت کے ماتحت رکھو۔ ادل وین کی بدیہات پیش کرو۔ جوں جوں استعداد و قابلیت بڑھتی جائے۔ نظریات کی طرف توجہ کرو۔ عقل و فہم کی صحیح نشوونما اور تربیت کا صحیح طریق سیکھو۔ اسلام نے ساری بنیاد ہی علم و یقین پر رکھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا پہلا سبق

یہ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ یعنی یہ کتاب ہر قسم کے  
 شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر اس سے استفادہ کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنے  
 اندر یقینی کیفیت پیدا کرو۔ کیونکہ اسلام شک کی جگہ یقین، ظلمت کی جگہ  
 نور، ظن کی جگہ علم و بصیرت اور قیاس و گمان کی جگہ حجت و برہان کی تعبیر  
 لے کر آیا ہے۔ ۵

یقین محکم، عمل مہیم، محبت فاتح عالم  
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں!

# امام کی صفات

تو غازی بتاتے ہیں، درس لیتا دے  
مسلمان کو مر مر کے جینا سکھا دے!

امام کے اعمال و افعال کے تمام لوگ تیار ہوتے ہیں۔ اگر امام کے اعمال ان کیلئے  
نمونہ نہ ہونگے تو وہ اسے امامت کے عہدہ سے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انفرادی حیثیت سے  
ہر مسلمان مبلغ و مجاہد ہے۔ لہذا امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ شائع کے ہر کلمہ کی صحیح  
غرض و فائیت پہچانتا ہو۔ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ کسی حکم کا حکم دینے اور نفل سے  
منع کرنے میں شائع کے پیش نظر کونسا مقصد اور کونسی مصلحت ہے۔ اور جو شخص یہ  
نہیں سمجھتا کہ کسی حکم کی بجا آوری کے لئے شائع نے جو عملی صورت مقرر کی ہے اس  
خاص صورت میں لیا حکمت یا نظر ہے۔ اور اصل مقصد کے حصول کیلئے کون کون  
چیزیں کس طرح مددگار ہے۔ اس کیلئے زندگی کے مختلف احوال میں شریعت کا  
صحیح اتباع کرنا یا کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہوگا۔ اسکے پاس شریعت کا صرف جسم  
ہوگا اور نہ ہوگی۔ وہ محض استخوان کا مالک ہوگا۔ منفر نہ پاسکے گا۔ اسکی نگاہ احکام کی

محض عملی صورتوں پر ہوگی۔ مگر ان احکام میں جو مصالح و مقاصد پوشیدہ ہیں۔ وہ اسکی نظر سے اوجھل ہونگے۔ وہ بظاہر تو شارع کے احکام کی پیروی کریگا۔ مگر دراصل انکے مقاصد سے محروم رہیگا۔ امد اپنے عمل سے نہ خود پوری طرح مستفید ہو سکے گا۔ اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکے گا۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست  
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست !

سلا پس امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول اسلام اور احکام شریعت کی تہ تک پہنچے۔ ہر حکم کی صحیح غرض و غایت معلوم کرے۔ اور اپنے ہر قول و فعل کو اس غرض و غایت کی تکمیل کیلئے صرف کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے سواہ اعتقاد کے سوا اور کوئی مطلب پیش نظر نہ رکھے۔ اپنے تمام خیر الفیض کو مروانہ دار اور بے غرضانہ بجالائے۔ اس کا تمام عمل تبلیغی ہو۔ محض اسلام کے بسیدہ کھنڈرات پر قائم کرنے والا نہ ہو بلکہ خوابیدہ غفلت مسلمانوں کو قرآن کریم و شریعت اسلام کی روشنی میں پیغام دے۔ کہ اٹھو! آباؤ اجداد کی تالیخ و عہدے کا وقت آگیا ہے۔ اب جاہ و خیال تم پر شمار ہوگا۔ اور تم پھلی نشان و شوکت کے مالک بن جاؤ گے۔

اس کا تمام علم و عمل دہی باتوں سے بالاتر ہو۔ اور یقیناً سے لبریز ہو۔ لفظی دستی آیات الہی کو سامنے رکھ کر آگے بڑھانا اس کی تعلیم کا سب سے بڑا جوہر ہو۔ خود غرضی، نفسانیت اور بے اصولی سے اجتناب کرے۔ الزامی جواب

نفرت، بغاوت، سب و شتم، اور مخالطہ سے حتیٰ اوسع پر مہر کرے۔ ان سے کبھی  
 دیر پا اور مفید نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ مخلوقات الہی کیلئے رحمت اور برکت کا  
 نمائندہ ہو۔ کیونکہ اسلام فعلی (تفریق) کیلئے نہیں۔ بلکہ رحمت، جذب اور صل  
 کیلئے آیا ہے۔

اسلام دنیا میں ہر فرد بشر کی عزت بحال کرنے آیا ہے۔ اور وہ ملکی، قومی اور  
 شخصی انفرادی و معاویہ سے بالاتر ہے۔ لہذا شخصیت پرستی، زر پرستی اور ان کے  
 ظلم کو پاش پاش کرنا اپنا فرض عین تصور کرے۔ اس کی زندگی میں سوائے اللہ تعالیٰ  
 کے اعتقاداً و عملاً لغوی اقتداء، تمام غیر فطرتی غلامیوں سے نجات اور اسلامی  
 بادشاہت کی تیاری و غلبہ یافتہ ربانی ہو۔ فرض شناسی، خودداری، تعلیم و  
 تربیت، بے داغ چلن، گرم جوشی اور نظام و غیرہ امور ہر وقت اس کے محرک  
 ہوں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے  
 ستر آدم ہے، خمیر کن نکال ہے زندگی!

# امام کی اطاعت

کسبِ مہر کیا بھی تو قسدرِ مہر کہاں  
 ملتا ہے کوئی تشنہ آب گوہر کہاں!

آج سے کچھ عرصہ پیشتر آنر مساجد کی بڑی شخصیت ہوتی تھی۔ سچہ بچہ ان  
 کی عزت کرتا تھا۔ ہر شخص ان سے ڈرتا تھا۔ تمام قوم پر ان کا رعب تھا۔ آج امامت  
 کو کوئی کچھ سمجھے۔ اور اماموں کا اثر کتنا ہی زائل ہو چکا ہے۔ پھر بھی امامت مسندِ رسولؐ  
 ہے۔ اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب ہے جس پر رسول کریمؐ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت  
 عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دیگر ادیب و اکابر صدیوں فائز رہے  
 ہیں۔ اسی عہدِ سعادت میں آج کی طرح مسجدیں "شکوہ گزار نمازی" تھیں۔ بلکہ  
 ہر مسجد پانچوں وقت نمازیوں سے بھری رہتی تھی۔ جہاں ہر درجے و ہر رتبے کے  
 لوگ آتے اور ایک امام کے اقتدار میں کھڑے ہو کر خدائے وحدہ لا شریک کی بارگاہ  
 میں اپنی جہین قیاز گراتے تھے۔ اس کے ایک اشارہ اللہ اکبر پر رکوع و سجود کرنا  
 سب کیلئے فرض تھا۔ پیر کیونکر ہو سکتا تھا کہ اس کی عزت تو عزتِ اطاعتِ تہ کی

جاتی۔ بہترین اُمت کا امام بھی بہترین ہی ہو سکتا تھا۔ اور ہوتا تھا۔ اور وہ ہوتا تھا جو نہ صرف علم و فضل، اخلاق و عادات اور عمل و خیر میں امتیازی حیثیت رکھتا ہو بلکہ صلاح و تقویٰ میں بھی برگزیدہ شان رکھتا ہو۔ نیز یہ کہ تمام مسلمانوں نے اسے اپنی امامت کے لئے منتخب کیا ہو۔ اور سب اس سے خوش ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ عِبَادَتَهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهَمَلَهُمْ كَارِهُونَ" تین وہ شخص ہیں جن کی نماز اللہ قبول نہیں کرتا۔ جن میں ایک وہ ہے جو اپنی قوم کا امام ہو۔ اور لوگ اس سے ناراض ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امامت کتنا بڑا منصب ہے۔ اسے کتنی بڑی فقیہیت ہے لہذا اس کیلئے دو امور ضروری اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اولاً یہ کہ وہ علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز ہو اور ثانیاً اتنا با اخلاق اور شریف ہو کہ تمام نمازی اس سے خوش رہ سکیں۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں؟

فقط یہ بات کہ پیر معال ہے مرد خلیق!

اور ان مرد و عورت کی عدم موجودگی میں سب بڑا عذاب اس پر یہ پڑے گا کہ اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور اسکی تمام عبادت منافع جائیگی۔ کیوں متقی مسلمان تو یہ گواہا نہیں کر سکتا کہ محض منصب امامت کی حرص میں اپنی عبادت کے ثواب کو منافع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور آخر وہی عذاب خرید لے۔

جس طرح نماز میں روحانی علوم کے ہزاروں سبق دیئے تھے۔ اور وقت کی پابندی،  
 ظاہر و باطن کی صفائی، اتفاق و اتحاد، یک ہمتی دیکر نگی، ہمدردی و محبت، ایک ساتھ  
 جینا اور ایک ساتھ نمازنا سکھائی تھی۔ اسی طرح امامت میں اطاعت اللہ کا درس دیتی  
 تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے امیر کی جتنی مطیع ہوگی۔ اتنا ہی اسے علو و اقتدار  
 حاصل ہوگا۔ اتنا ہی اسے اپنی ارتقائی منازل کا طے کرنا آسان ہو جائیگا۔ اور وہ  
 اپنے ہر مقصد میں دن و نئی اور رات چوگتی تہتی کرتی جائیگی۔

مگر اس زمانے میں پیارے اکثر اماموں کا یہ حال ہے۔ کہ مقتدی خوش ہوں یا  
 ناراض۔ نماز اللہ قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن وہ منصب امامت چھوڑنے پر ہرگز آمادہ  
 نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے جائز و ناجائز طریق پر اپنے قبضہ میں رکھنے کے لئے ہر قسم  
 کی سازشیں اور جھوٹ و فریب تک کو روا رکھتے ہیں۔ کچھ تو مسلمانوں نے انتخاب کی  
 طرف سے بے پرواہی اختیار کر لی۔ اور کچھ اماموں نے امامت کو ذاتی جاگیر و ریاست  
 بنا لیا ہے اگر کوئی مسلمان مقتدیوں کی تانوشی و تارہتا مندی کی بنا پر کسی امام کے خلاف  
 آواز بھی بلند کرتا ہے۔ تو یہ لوگ لڑنے اور مرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہی حالت متولیوں میں مشاہد کی ہے۔ کہ وہ بھی اپنی جگہ خود مختار بنے ہوئے

ہیں۔ غرض یہ ہے۔ کہ ہماری اس اہم ترین عبادت کی پوری پوری مشہوری

مسلمانوں کے ہاتھوں و درہم برہم ہو کر رہ گئی ہے۔ نہ نمازی ٹھیک رہے نہ

نماز، نہ اماموں میں وہ تفصیلت باقی رہی اور نہ متولیوں میں غیرت ملی کا اثر رہا۔



رائے عامہ میں نمازیوں کا وقار کم ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان مساجد سے ایک گونہ  
بے تعلق ہو رہے ہیں۔ قوم کی مرکزیت قائم ہو رہی ہے۔ جمعیت کمزور ہو  
رہی ہے۔ اور اس کی اصلاح کے لئے کوئی تعمیری پروگرام تاحال تیار  
نہیں ہوا۔

بچے نہ تم اور نہ سنا تھی تمہارے  
اگر ناؤ ڈوبی، تو ڈوبیں گے سارے!

# امام کی جماعت

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا  
تہ توڑ الٹی ہے باقی تہ ایرانی نہ افغانی !

کسی جماعت کی کامیابی کا دار و مدار ہمیشہ ضبط (Discipline) پر ہوتا ہے۔ اور حصول ضبط کے لئے باقاعدگی درکار ہے۔ لہذا نماز باجماعت میں صفوں کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ تمام صفیں سیدھی ہیں یا نہیں۔ صفیں بناتے وقت اول پہلی صف کو پورا کرنا چاہیے اگر آدمی کم ہوں اور صف پوری نہ ہو سکتی ہو۔ تو پھر پیچھے کھڑے ہونے والوں کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ آدھے آدھے آدمی امام کے دونوں طرف آجائیں۔ اگر پہلی صف پوری ہو جائے تو اسکے پیچھے دوسری صف باندھ لینی چاہیے۔ اور اس میں بھی اگر آدمی کم ہوں۔ تو پھر اس صف کو بھی پہلی صف کے پیچھے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے۔ اکیلا آدمی ایک صف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے لئے کسی صف میں گنجائش نہ ہو۔ تو اسے چاہیے کہ کچھ عرصہ انتظار کرے۔ اگر کوئی اور شامل ہو تو والا نہ ہو

تو آخری صف میں آہستگی کے ساتھ ایک سمجھ دار آدمی کو پیچھے ہٹالے اور اپنے ساتھ کھڑا کر لے تاکہ ایک صف بن جائے۔

ترتیب صفوں میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سب کے اولیٰ مردوں کی صفیں ہوں۔ پھر لڑکیوں کی۔ اسکے بعد عورتوں کی اور سب کے بعد لڑکیوں کی صفیں ہوں۔ بڑے آدمیوں کی صف میں لڑکوں کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح عورتوں کی صف بچوں کے بعد ہونی چاہیے۔ عورت اگر اکیلی ہو۔ تو وہ اکیلی ہی سب کے پیچھے کھڑی ہو سکتی ہے۔ امام کے نزدیک ہمیشہ ایسے آدمیوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو دین میں زیادہ سمجھ رکھتے ہوں۔ علاوہ اسکے صف بندی میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ کہ کندھے سے کندھا ملا رہے اور درمیان میں فاصلہ نہ رہے۔

نماز باجماعت صرف دو آدمی بھی پڑھ سکتے ہیں جن میں سے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی لیکن اس صورت میں مقتدی امام کے پیچھے نہیں کھڑا ہوتا۔ بلکہ امام کے دائیں ہاتھ ساتھ ہی کھڑا ہوتا ہے۔ اور اسکے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے مقابل ہوتی ہیں۔ بائیں طرف مقتدی کا کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر دو آدمی اس طرح نماز پڑھ رہے ہوں اور تیسرا آدمی بھی نماز باجماعت میں شریک ہونا چاہے تو تیسرے آدمی کو چاہئے۔ کہ پہلے مقتدی کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر آہستہ سے پیچھے ہٹالے۔ اور اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے یا امام کو اتنا آگے ہو جانا چاہئے کہ مقتدیوں کو سجدہ کرنے کے لئے جگہ مل جائے۔ اور اس کے پیچھے دو آدمیوں کی

صف بن جائے۔ اس طرح مقتدیوں کے پیچھے ملتے یا امام کے آگے بڑھنے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ بعد پانچ فرض نمازوں میں امام کے سوا کم از کم ایک آدمی اور جمعہ کی نماز میں تین آدمی ہونے ضروری ہیں۔ جماعت کی نماز میں مقتدی کو صرف پہلی رکعت میں نماز پڑھ کر باقی رکعتوں میں چپ رہنا چاہیے۔ اور اس کیلئے تَعُوذ، تَسْمِیَہ، سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اور جس وقت کوع کے بعد کھڑے ہوں تو امام صرف تسمیع اور مقتدی صرف تجمید پڑھیں۔ مگر اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں تسمیع اور تجمید دونوں پڑھنے چاہئیں۔ اسی طرح سلام کرتے وقت جس طرف امام ہو اس طرف کے سلام میں نمازی اور فرشتوں کے ساتھ امام کی بھی نیت کرنی چاہیے۔ اور امام دونوں طرف کے سلام میں مقتدیوں کی نیت کرے اور مقتدی کو امام سے پہلے سجدہ اور کوع میں صلے جانا اور سر اٹھانا مکروہ تحریمی ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوتے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوتے!



# امام کی شرائط

مے میری باتگ اذال میں نہ بلندی نہ شکوہ  
کیا گوارا ہے مجھے ایسے مسلمان کا سجود!

امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ جو شخص بغیر علم کے امامت کرتا ہے اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی سمندر کے پانی کو تاپتا ہے۔ مگر اسکی کئی مہی کو نہیں سمجھتا۔ مسجد کا مقررہ امام کسی اجنبی شخص سے امامت کا زیادہ مستحق ہے اگرچہ اجنبی شخص اس سے افضل ہو۔ دیوانے، نشے والے، کافر اور مشرک کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ اور نابالغ کے پیچھے یا لغو کی اور عورت کے پیچھے مردوں کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر مردوں کے پیچھے عورت کی نماز ہو سکتی ہے۔ اور جس نے باقاعدہ وضو اور غسل کیا ہے اسکی نماز معذور کے پیچھے نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو خود رکوع و سجدہ کرتا ہے۔ اسکی نماز اشاروں سے رکوع و سجدہ کرنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی مگر بدعتی، فاسق، جاہل غلام، جاہل گنوار، اندھے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز ہو تو مسکتی ہے مگر یاد رہتی ہے۔ اور فاسق جو اعلانہ گناہ کرے۔ اس کے پیچھے

مکروہ تحریمی اور یا قیوں کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر ان سے افضل کوئی اور شخص نہ ملے۔ تو بلا کراہت اس کی امامت جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکا پندرہ سال کا ہو جائے۔ اگرچہ اور کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہو۔ تو اس کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ مگر اس سے کم عمر کے لڑکے کے پیچھے نماز درست نہیں کیونکہ نابالغ کے ذمہ کوئی نماز فرض نہیں ہوتی۔ اسے عرت عادت ڈالنے کے لئے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کی نماز ایک قسم کی نفل نماز ہوتی ہے۔ اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کا امام نہیں ہو سکتا۔

امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کا خیال رکھے۔ اگر مقتدیوں میں کمزور اور بیمار آدمی بھی ہوں تو ان کی رعایت سے قرأت کو مختصر کرے۔ امام اگر قرأت بھول جائے یا غلطی کرے تو مقتدیوں کو اس کی اصلاح کر دینی چاہئے۔ قرأت کی غلطی تو صحیح الفاظ کے پڑھنے سے درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر رکعت کے رکوع و سجود اور قیام میں امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدیوں کو سبحان اللہ کہہ کر اسے متنبہ کر دینا چاہئے۔ فجر، مغرب اور عشا کی نماز میں قرأت جہری پڑھی جاتی ہے۔ اور ظہر و عصر میں قرأت خفی ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور مغرب و عشا کی صرف پہلی ہی دو رکعتوں میں قرأت جہری ہے۔ اور باقی ایک یا دو رکعتیں قرأت خفی سے ادا کی جاتی ہیں۔ نماز باجماعت میں مقتدی اور امام کی نماز جن شرائط سے وابستہ ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ کہ مقتدی اقتداء کی نیت

کرے۔ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہو۔ اگر امام اور مقتدی جدا گانہ مکانوں میں ہوں۔ تو امامت درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح امام اور مقتدی کی نماز ایک ہو۔ اگر امام فرض پڑھتا ہو اور مقتدی نفل یا اس کے برعکس تو امامت صحیح نہیں۔ مقتدی کے خیال میں امام کی نماز صحیح ہو۔ اگر مقتدی کی والنست میں امام کی نماز صحیح نہیں۔ تو امام کی امامت اور مقتدی کی اقتداء درست نہ ہوگی۔ مقتدی امام سے آگے نہ بڑھے۔ اور وہ امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کو جانتا ہو۔ مقتدی تمام ارکان میں امام کی اقتداء کرے۔ اگر کسی ایک رکن میں بھی اقتداء نہ کی۔ تو مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ نماز کے ارکان کی بجا آوری میں مقتدی امام کی مانند ہو۔ مثلاً اگر امام اشاکے سے نماز پڑھے تو مقتدی بھی اشاکے سے پڑھیں۔ مقتدی امام کی حالت سے واقف ہو کہ وہ مسافر ہے یا مقیم۔

پانچ چیزیں ایسی ہیں۔ کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی چھوڑ دیں۔ اور امام کی پیروی کریں۔ مثلاً عیدین کی تکبیریں، قعدہ ادلی، سجدہ سہوا، سجدہ تلامذت اور تہنوت۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں۔ کہ اگر امام کرے۔ تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں۔ مثلاً عیدین کی تکبیروں میں زیادتی کرنا۔ جنازے کی نماز میں چار سے زیادہ تکبیریں کہنا۔ کسی رکن کو زیادہ کرنا۔ مثلاً دو دفعہ رکوع کرنا۔ پانچویں رکعت کے لئے امام کا کھڑا ہونا۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں۔ کہ اگر امام

انہیں ترک کر دے۔ تو مقتدی ضرور ادا کریں۔ مثلاً تکبیر تحریمیہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ ثناء پڑھنا۔ تکبیرات استغالی یعنی رکوع و سجود وغیرہ کے وقت تکبیر کہنا۔ تسبیحات رکوع و سجود، شہید کہنا۔ شہد پڑھنا۔ لفظ السلام پڑھنا اور تکبیرات تشریحی کہنا۔ علاوہ ان کے نماز میں قراءت و اذکار مسنون سے زیادہ طول دینا۔ اجنبی عورتوں کی ایسی جگہ امامت کرنا۔ جہاں امام کی محرم عورتیں نہ ہوں۔ اور دو مقتدیوں سے زیادہ کی صف میں امام کا بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور دو مقتدیوں کی صف کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔  
 ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی!  
 نصیحت بھی تیری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی!



# امام کے مقتدی

زبان سے گر کیا تو حمید کا دعویٰ تو کیا حاصل  
بتایا ہے بڑے پندار کو اپنا خدا تو نے!

مقتدیوں کی چار قسمیں ہیں۔ نزدیک، مسبوق، لاحق اور مسبوق  
لاحق۔ نزدیک وہ ہے جس نے شروع سے آخر تک پوری نماز امام کے ساتھ  
ادا کی ہو۔ یعنی پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو اور آخر تک ساتھ رہا ہو۔ اسے  
پہلی رکعت میں صرف ثناء پڑھ کر خاموش رہنا چاہیے۔ اور قعود، تسمیہ،  
سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی اسے ضرورت  
نہیں۔ اور اس کے بعد رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ میں حسب دستور امام  
کی اقتداء میں سب اذکار پڑھنے چاہئیں۔ اور قومہ میں صرف تحمید ہی کہنی  
چاہیے۔ تسمیہ کی ضرورت نہیں۔ اور سلام پھیرتے وقت جس طرف امام ہو اس  
کی بھی نیت کرنی چاہیے۔

مسبوق وہ ہے جس کی اقتداء اسے پیشتر امام سب یا بعض رکعتیں پڑھ

چکا ہو۔ یا جسے امام کے ساتھ شروع سے ایک یا کئی رکعتیں نہ ملی ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی نماز بعد میں شامل ہو۔ تو اسے تکبیر کہہ کر اسی حالت میں نماز شروع کر دینی چاہیے۔ جس حالت میں کہ امام اور دوسرے مقتدی ہیں۔ اگر وہ سجدے میں ہیں تو سجدے میں جانا چاہیے۔ اگر قعدے میں ہوں تو قعدہ میں بیٹھ جانا چاہیے۔ اور اگر حالت رکوع میں ہیں تو رکوع میں، اور اگر قیام میں ہیں تو قیام میں۔ قرأت یا رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد شامل ہو۔ تو پھر جس قدر رکعتیں رہ گئی ہوں۔ اسی قدر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے۔

غرضیکہ مسبق بقیہ نماز کو اسی طرح پوری کرے۔ جس طرح کہ فوت ہوئی ہے یعنی امام کے ساتھ آخر نماز تک شریک رہے۔ جب امام سلام پھیرے۔ تو مسبق اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے۔ بلکہ کھڑا ہو جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتوں کو اس طرح ادا کرے۔ گویا اس نے ابھی نماز شروع کی ہے۔ مثلاً اگر پہلی رکعت چھوٹی ہو۔ تو کھڑے ہو کر نماز۔ تعوذ۔ تسمیہ، سورہ فاتحہ اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھ کر حسب قاعدہ رکوع و سجود کرے۔ اور از سر نو قعدہ کے بعد سلام پھیرے اگر ظہر، عصر، عشاء یا فجر کی دو رکعتیں رہ گئی ہوں۔ تو دوسری رکعت اسی طرح سورہ فاتحہ اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھ کر پوری کرے اور قعدہ کے بعد سلام پھیرے۔ اگر تین رکعتیں رہ گئی ہوں۔ تو دو رکعتیں فاتحہ و سورت سے اور

دوسری صرف فاتحہ پڑھ کر پوری کرے۔ اور مغرب کی نماز میں اگر ایک ہی رکعت ہی پڑھ تو باقی ہر دو رکعتوں کے بعد حسب دستور قعدہ کرے۔

لاحق وہ ہے جس کی کل یا بعض رکعات بعد اوقاتِ دارِ تحریمہ کے کسی عذر سے فوت ہو گئی ہوں۔ یعنی امام کے ساتھ شریک ہونے کے بعد کسی عذر کی وجہ سے ایک یا کئی رکعتیں جاتی رہی ہوں۔ جیسے ایک شخص امام کے ساتھ شریک ہوا۔ لیکن قعدے میں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اور اتنی دیر سو یا رہا۔ کہ امام نے ایک یا دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ سولاحق کی جو رکعت کسی عذر مثلاً سو جانے یا وضو ٹوٹ جانے سے رہ گئی ہوں۔ تو جس وقت وہ جاگے یا وضو کر کے واپس آئے۔ تو پہلے اپنی چھوٹی ہوئی نماز امام کا ساتھ چھوڑ کر پڑھ لے۔ اور اس طرح پڑھنے جیسے امام کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یعنی قراعت نہ کرے۔ اور جب اسی ترتیب سے چھوٹی ہوئی نماز پوری کر لے۔ تو امام کے ساتھ ہو کر باقی نماز پوری کرے اور اگر امام فارغ ہو چکا ہو۔ تو اسی طرح باقی نماز پوری کرے۔ جیسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اور اس حالت میں اگر اس سے کوئی سہو ہو جائے۔ تو سجدہ بھی نہ کرے۔ کیونکہ اس وقت بھی وہ مقتدی ہے۔ اور مقتدی کے سہو پر سجدہ سہولاً لازم نہیں آتا۔

سبق لائق وہ ہے کہ دوسری رکعت میں بحالتِ قیام امام کے ساتھ شریک ہو۔ پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں سو گیا یا وضو ٹوٹ گیا۔ اور امام کے

کچھ ارکان ادا کرنے یا پوری نماز ادا کرنے کے بعد بیدار ہوا یا وضو سے  
 فارغ ہوا۔ اسے چاہیے کہ پہلے اپنی ان رکعات کو جو امام کی اقتدار کے  
 بعد فوت ہوئیں۔ لاحق کی طرح بنا قرأت پڑھے۔ اور پھر اسی رکعت کو عبادت  
 سے پہلے فوت ہوئی ہے۔ مسنون کی طرح معہ قرأت ادا کرے۔

مالونہ ماتو جان جہاں اختیار ہے

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں!

# امام کا خطبہ

دل مُردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ  
 کہ یہی ہے، اُمتوں کے مرضِ کهن کا چارہ !  
 خطبہ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ جسے موعظۃ الامام بھی کہتے  
 ہیں۔ لیکن دونوں کے مقاصد مختلف ہیں۔ نماز، عبادتِ خدا، تسبیح و تہلیل اور  
 دعا و سجد ہے، جس کا مقصد یادِ الہی، ذاتِ حق کی طرف رجوع اور خشیت و  
 اقامت وغیرہ ہے۔ اور خطبہ و عطا و ارشاد اور اصلاح و ترقی ملت کے ایک  
 یہ ذکرِ ام کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا مقصد عامۃ الناس کو ان کی اپنی سیاسی  
 ضروریات سے آگاہ و خبردار کرنا ہے۔ تاکہ مسلمان اجتماعی، سیاسی، تعلیمی،  
 تمدنی، ملکی اور معاشرتی اعتبار سے ترقی کرتے رہیں۔ امام بمنزلہ ایک مقرر  
 کے ہوتا ہے۔ اور نمازی بمنزلہ حاضرینِ جلسہ کے۔ اور خطبہ صدرِ جلسہ کی ایک  
 تقریر ہے۔ قائدِ ملت کا ایک لیکچر ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور  
 آپ کے صحابہ کرامؓ نے مختلف اوقات میں مختلف خطبے دئے ہیں۔ اور ہر

ایک خطبہ زمانے کی رفتار اور ضروریاتِ وقت کو پیش نظر رکھ کر دیا ہے جس سے مسلمانوں کے ایمان تازہ، نظر وسیع، حوصلے بلند، عزم راسخ اور ہمتیں قوی ہوتی تھیں۔ مگر —

تا شمارِ مصطفیٰ از دستِ رفت

قوم رازِ مریضتا از دستِ رفت!

خطبے کے جملہ مقاصد اس وقت تک پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ خطبے کو پوری طرح سمجھانہ جائے۔ خطبہ میں خدا کی حمد و ثنا کے علاوہ شریعت کے احکام، اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے نصائح، اور قومی و اجتماعی ضروریات کے تمام امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ غرضیکہ خطبہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک متحرک اور کارفرما پرزہ ہے۔ اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خدا کے احکام ان پر پہنچائے جاتے ہیں۔ دین کی تعلیمات ان کے ذہن نشین کی جاتی ہیں۔ ان کی القرابتی و اجتماعی کمزوریوں کی اصلاح کرنے کے علاوہ قومی فلاح و بہبود کی طرف ان کی توجہ معطوف کی جاتی ہے۔

اگر نماز کی طرح خطبے کیلئے بھی عربی زبان کو لازمی قرار دے دیا جاتا۔ تو اس نتیجہ پر ہوتا کہ غیر عربی دان لوگوں کے لئے وہ محض ایک بے معنی چیز اور ایک بیجا ذمہ بن کر رہ جاتی۔ اور شارع کے وہ تمام مقاصد فوت ہو جاتے جس کے لئے اس نے خطبہ شروع کیا تھا۔ بلکہ ایسی صورت میں خطبہ بالکل بے سود ہو جاتا۔

اور انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ وہ بیٹھے انگٹے رستے میں غنڈگی  
 خوب ہوتی ہے۔ اور اچھے خاصے دستوں بھی بکروہ ہو جاتے ہیں۔ باقی رہا دل لگنا۔ سو  
 دل تو اسی مضمون پر لگتا ہے جسے انسان سمجھے۔ مگر یہاں تو اکثر اوقات خود پڑھنے  
 والا بھی نہیں سمجھتا۔ کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کیا بتا رہا ہوں۔ خدا جانتا ہے  
 کہ یہ صورت کب سے قائم ہے۔ خطبہ ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا۔ ایک ضرورت  
 کی چیز تھی۔ مگر فرزند ان تو حید نے اپنی کم بختی سے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ اور خطبہ و  
 نماز کے تمام فوائد ضائع ہو کر رہ گئے۔

جائز کیا ہساد کو شمشیر کے بغیر!

قرآن اگر پڑھا بھی تو تفسیر کے بغیر!

ابنا خطبے کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربی زبان لازمی قرار نہیں  
 دی۔ بلکہ خطبہ اسی زبان میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔ جسے سامعین بخوبی سمجھ سکتے ہوں  
 البتہ اس سے اتحاد بین الملی میں ضرور فرق آجاتا ہے۔ مگر اس کا علاج یہ ہے۔ کہ  
 خطبہ کا ایک حصہ تو لازماً عربی زبان میں ہو۔ جو خدا کی حمد و ثناء، رسول اللہ اور آپ کے  
 اصحابؓ پر صلوٰۃ و سلام اور آیات قرآنی کی تلاوت کے لئے مخصوص کیا گیا ہو اور  
 دوسرا حصہ جو اسلامی تعلیمات، احکام، مواعظ اور وقتی ضروریات پر مشتمل  
 ہو۔ وہ ایسی زبان میں ہو۔ جسے حاضرین یا ان کی اکثریت سمجھتی ہو۔ جس کے لئے  
 ہندوستان میں اردو زبان نہایت موزوں ہے۔ مگر جہاں مسلمانوں کا بین الاقوامی

اجتماع ہو۔ وہاں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ نہ دیا جائے۔

عام فہم زبان میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت جس بنیاد پر ظاہر کی جاتی ہے۔

صرف یہی ہے کہ لوگ اس کو سمجھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ گویا اصل مقصود سمجھنا نہیں

بلکہ فائدہ اٹھانا ہے۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ سمجھنے سے بجائے فائدہ کے کٹا

نقصان ہو۔ تو اس صورت میں بجائے سمجھنے کے نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔ اب قدر اچھی

قوم کی حالت کا بھی جائزہ لیجئے۔ یہاں امامت کا معیار حد سے زیادہ سست ہو چکا ہے

امامت کا جلیل القدر منصب بعض ایسے نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔

کہ وہ اردو زبان میں خطبے دیکر اپنی قوم کی دینی و دنیوی اصلاح نہیں کر سکتے۔

دوسرا گروہ ایسے علماء و کاہنے جو ایسے ماحول میں رہے ہیں۔ کہ اگر انہیں عام

فہم زبان میں ہانے خطبے دینے کا موقع دے دیا جائے تو اسے دان سر پھیل

شرع ہو جائے گی۔ اور بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان شروع ہو جائے گا۔ اب

رہے جدید تعلیم یافتہ اصحاب، جوان میں سے بھی اکثر اپنی کم ظرفی کی وجہ سے

ان مسائل کی صحیح صحیح تعبیر نہیں کر سکتے۔ لہذا خطبہ غیر عربیہ کے اجراء سے

بیشتر ان خطرات کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اہل علم کی

کوئی معتدل جماعت خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کرے جو تراجمی مسائل

سے بالکل پاک ہو۔ مسلمانوں کی تمام ضروریات پر عادی ہو۔ ان کی صحیح

رہنمائی کرنے والا ہو۔ ضروریات حاضرہ کے مطابق ہمیشہ اس میں ترمیم و تنسیخ



ہوتی ہے۔ اور اس معتدل مرکزی جماعت کے خطبے باقاعدگی کے ساتھ  
 مساجد میں وقت مقررہ پر پہنچائے جائیں۔ اور جب تک یہ تنظیم نہ ہو اس وقت  
 تک ہی عربی خطبے چلتے دئے جائیں۔

ہاں بااگر خوش قسمتی سے کوئی مناسب خطیب مل جائے تو اسکی خدمات

سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہ کیا جائے۔

یارب! وہاں مسلم کو وہ زندہ تمنا دے

جو روح کو تڑپا دے، جو قلب کو گرا دے!

# امام کی ہر وعظ و نہی

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رہبرِ مسلمانی  
انہوت کی ہے انگیزی، محبت کی فراوانی!

امامت ایک ایسا قابلِ قدر منصب ہے۔ جس کا تعلق ہر کہ و ہر کے  
ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک، جوان سے لے کر اوصیٰ  
عمر تک، اور جہاں سے لے کر عالم تک وہ ہر قسم کے مقتدیوں کی اصلاح کا  
ذمہ دار ہوتا ہے۔ قوم کے منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کرنا اس کا سب سے  
بڑا فرض ہوتا ہے۔ جب تک وہ ہر وعظ و نہی ہو۔ سب کے دل میں اس کی قدر  
نہ ہو۔ ہر کس و نا کس پر اس کا اثر نہ ہو۔ اس وقت تک وہ اپنے مقصد میں کما حقہ  
کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا امام کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام مقتدیوں پر اپنی  
شخصیت کو ممتاز بنائے۔ اور سب کے سامنے ایک موثر اور نفع بخش وجود  
ثابت ہو۔ ہر فرد و بشر کے دل میں اس کے متعلق خوف و رجا موجود ہو۔ سب  
پر اس کا اثر ہو۔ اور وہ خود کسی سے مرعوب نہ ہو۔ آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کا

صحیح منظر ہو۔ آپ کے تمام تعمیری پروگرام کا حقیقی ترجمان ہو۔ اس کی طبیعت عدل و انصاف کا ماتخذ ہو۔ اور اجرائے احکام کے لئے اس کی اخلاقی جرأت اس کے لئے عہدائے موسوی ہو۔ اور اس کی ہر نقل و حرکت اس کے مقتدیوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو۔

یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ امام اپنے کام کا پورا پورا اہل ہو۔ اپنے منصب کے لئے اسم باسمے کا مترادف ہو۔ باہر فن ہو۔ مستعد کار ہو۔ سرگرم عمل ہو۔ اور عوام الناس کے لئے اس کی شخصیت کسی نہ کسی طرح مفید ہو۔ اس کا وجود بہ سبب ظاہری و باطنی اوصاف کے باغیب ہو۔ جس ماحول میں وہ رہتا ہے۔ اس میں پوری طرح باوقار ہو۔ کوئی بڑی سے بڑی خود غرضی بھی اس کے وقار کے ضائع نہ کر سکے۔ بلکہ اپنی خود داری اور وقار کی حفاظت کے لئے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ قربانی اور ایثار کا مجسمہ ہو۔

امام کا لہجہ ہمدردانہ ہو۔ طبیعت گداز ہو۔ بردبار اور متحمل مزاج ہو۔ بد خو اور ترش رو نہ ہو۔ خود سب کی عزت کرے۔ دوسروں سے اپنی عزت کرانا جانتا ہو۔ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کا مجسم دلپوش ہو۔ اور ان تمام صفات سے متصف ہونے کے علاوہ اپنے ذرا لعل منصبی اور مقصد حقیقی کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے۔

بہتروں سے تجھ کو امیدیں خدا سے زو میدی

مجھے بنا تو سہی اور کافسری کیا ہے!

امام اپنے معتدلیوں کے ہر شعبہ زندگی کا بہترین مشیر ہو۔ ہر کس دنیا کس  
اس کے مشورہ کا ہر وقت محتاج ہو۔ اس کا بہترین مشورہ ان کے تسکین قلب کا  
باعث ہو۔ اس کا ہر فیصلہ ان کے اطمینان کا سبب ہو۔ اس کی ہر ادا ان کیلئے  
قابل تسلیم ہو۔ اس کا ہر قول ان کی زندگی کا سہارا ہو۔ اس کا ہر فعل ان کے  
لئے ایک نمونہ ہو۔ باوجود ان سب صفات کے وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ سب  
لوگ اس کے محتاج ہوں۔ اور وہ خود سب سے مستغنی ہو۔

ترقی کیلئے ہے زہرِ قابلِ خوردنی محتاجی

کبھی ہنابِ خورشید درخشاں ہو نہیں سکتا!

# امام کا حسن سلوک

حکوم کو پیروں کی کرامات کا سنو وا۔  
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات!

امام حسن صِدِّق و حسن سیرت دونوں اوصاف سے متصف ہو۔ سچ پوچھو  
تو انسان کی حقیقی خوبصورتی اور اصلی حسن و جمال اس کے اخلاق و فاضلہ اور پاکیزہ عادات  
اظہار میں۔ اسلام میں پرہیزگاری اور ضبط نفس سے بڑھ کر کوئی خوبی اور کمال نہیں سمجھو  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق تھا۔ امام ابوحنیفہؒ  
آدمی دنیا کے مسلمانوں کے امام تھے۔ آپ خوش اخلاقی کے پیکر تھے۔ اسلام  
کی اخلاقی زندگی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی حسن و عمل کی ایک زندہ  
مثال تھی۔ ان کے اخلاق کی نگاہت سے مشام عالم معطر ہوتا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کے ہر امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقی اور پرہیزگار  
ہوں۔ مہنیاات سے بچنے والا ہو۔ سخی اور فیاض ہو۔ ذہیبی عرود جاہ کو حقیر سمجھے۔ اہل  
غرض سے متعرض رہے۔ اپنی روزی خود کسی مستقل پیشہ کے ذریعے پیدا کرے۔

علم و مال دونوں کو دینی و دنیوی خدمت میں خرچ کرے۔ مزاج میں تصنع اور تکلف نہ  
 نہ ہو۔ خوش وضع و خوش پوش ہو۔ لغویات سے کنارہ کشی کرے اور امرِ حق کے اظہار  
 کی جرأت رکھتا ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ جو حق گوئی کا نمونہ تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ  
 خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی بیوی حرمہ خاتون ہیں کچھ شکر بچی ہو گئی۔ خاتون کو  
 شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ خاتون  
 نے کہا اچھا میں اس معاشے میں امام صاحب کو منصف قرار دیتی ہوں۔ چنانچہ  
 امام صاحب کو طلب کیا گیا۔ اور خاتون پس پردہ بیٹھ گئی۔

پھر منصور اور امام صاحب میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

منصور۔ شرع کی رو سے مرد کتنی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

امام صاحب۔ چار عورتوں سے۔

منصور۔ (پردہ کی طرف مخاطب ہو کر) سنتی ہو، امام صاحب کیا فرماتا ہے

میں پردہ سے آواز آئی، ہاں سنا۔

امام صاحب۔ (منصور سے) مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے۔

جو چاروں میں عدل و انصاف قائم رکھنے پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح

کرنا اچھا نہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔ «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ»

پس منصور یہ سن کر چپ ہو گیا اور امام صاحب اپنے گھر واپس آ گئے۔ خاتون نے

بعد میں امام صاحب کی حق گوئی سے خوش ہو کر پچاس ہزار روپے آپ کی نظر بھیجے۔ مگر آپ نے واپس کر دئے۔ رائے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ کسی غرض سے نہیں۔ بلکہ اپنا غرض منصبی سمجھ کر کہا ہے۔ یہ

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کے امامت

وہ کلمہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرا!

غرضیکہ امام حق و صداقت کا مجسمہ ہو اور خوش اخلاق ہو۔ خود اپنے مقتدوں

سے نیک سلوک کرے اور انہیں حسن سلوک کی ترغیب دے۔ اتھوت اور ہمدری

کے جذبات ان میں پیدا نہ کرے۔ پر اور انہ الفت پیدا کرے۔ ایک دوسرے کے

دیکھو درز میں شریک ہوں۔ رنج و غم میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤں۔ اور اپنی

چند روزہ زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنائیں یہ

وہ چال چل کہ عمر خوشی سے کٹے تیری

وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں!

لیکن

## امام کا پیشہ

جھکے جو آدمی ہو کر بھی غیبِ اللہ کے در پر  
 بشرِ حاصل تو کیا ہوگا، وہ شیطان ہو نہیں سکتا!  
 جو لوگ اپنی روزی کے لئے کوئی مستقل پیشہ نہ رکھتے ہوں۔ اور گمراہوں کی  
 حیب سے پیسے نکالنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بنانے والے ہوں، وہ امامت  
 کے قابل نہیں۔ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے صحابہؓ نے کبھی ہدایت  
 کی اجرت نہیں لی۔ اور کتاب اللہ بار بار اپنے پیغمبروں کی زبانی یہ بتاتی ہے۔ کہ  
 جو لوگ اصلاح و ہدایت کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ وہ محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی  
 اور عوام کی بہبودی کے لئے کرتے ہیں۔ اور وہ کوئی معاوضہ نہیں چاہتے۔  
 کسی نبی یا ولی نے آج تک بغیر ہاتھ کی کمائی کے نہیں کھایا۔ حضرت داؤد  
 علیہ السلام لوہے کی زدہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چٹالی بنا کرتے  
 تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش اختیار کیا  
 اور حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ میں لکڑیاں فروخت کر کے اپنی روزی



پیدا کی۔ غرضیکہ کوئی بنی یا دلی اپنے مریدوں کا دست نگر نہ بنا۔ اسی لئے ان کی بات میں وزن اور کلام میں اثر تھا۔

مگر آجکل ہدایت پیشہ لوگ و عظمیٰ اُجرت، دعا کی تدرار اور پیری کی دست گیری مانگتے ہیں۔ اور مسموئی شریک کے امام مسجد میں پانچواں وقت کی امامت کرانے کے سوا اگر کوئی اور ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔ تو وہ نیاز کے پیسے وصول کر کے تعویذ گنڈے اور جھار پھونک کر دینا ہے۔ فاتحہ کی روٹی ان کا من و سلویٰ اور لگھی توکشن کی چادر ناں غنیمت مسجد سے تنخواہ ان کی نماز پڑھانے کی صحیح اُجرت اور معاش کا ذریعہ ہے۔ پھر انکی بات میں قعدت کیسے ہو۔ جنکے یہ خود محتاج ہیں۔ انکی اصلاح کیسے کریں۔ سے

ترقی کے لئے ہے زہر قاتل خوئے محتاجی

کبھی ہتھاب خور شدید درخشاں ہو نہیں سکتا!

انکی زندگی کا تاریک ترین پہلو یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں اختلاف کا بڑھانا اور ان میں شدت کا پیدا کرنا ان کا معیار افتخار بن چکا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی بدولت ملت واحدہ میں مذہبی، سیاسی اور معاشرتی نقطہ نظر سے اتنی نفرت انگیز تفریق ہوتی جا رہی ہے۔ کہ اس کا رفع کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ غرضیکہ ہمارا یہ قابلِ قدر طبقہ ذوالضعف و کمزور سے اتنا ہی غافل ہے۔ جتنا کہ دوسرے نماز روزہ سے لاپرواہ ہیں۔ جب اسے غور ہے کہ جب جیتی جاگتی دنیا پر انہیں قابو نہ رہا۔ تو یہ کیونکر یقین آسکتا ہے۔ کہ ان دیکھی دنیا ہنوز ان کے ٹھیکے میں ہوگی۔ سے

لے بسا آدم کہ ابلیسی کسہ

لے بسا شیطان کہ اور سی کسہ

ہمارے علماء میں آزادی و بیباکی کی طاقت اسلئے نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

دوسروں کے محتاج ہیں۔ انکی تمام اعتراض بے دینیوں، منافقوں، کافروں اور اہل بدعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ہزاروں تعلقات اور مصلحتیں ہیں۔ جو انکی زبان پر بالاد اللہ ہوئے ہیں اور سینکڑوں ایسے امور ہیں جو اظہار حقیقت کی راہ میں ان کیلئے سد راہ ہیں۔

قرون اولیٰ کے مسلمان ملک التجار تھے۔ چاروں گلوب عالم میں انکی تجارت جھنڈے گئے

ہونے لگے تھے۔ بندرگاہیں ان کے دم سے آباد تھیں۔ آقائے تاجدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تاجرتھے۔ آپ کے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق تاجرتھے حضرت عثمان غنی کی

عناوہ کاراز اسی تجارت میں مضمیر تھا۔ اور امام ابوحنیفہ کا مستقل ذریعہ معاش اسی تجارت پر تھا۔ پس آمدنی کے وسائل میں سے تجارت ہی ایک ایسا کامیاب ذریعہ ہے جس سے

دینی و دنیوی ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ لہذا خود تجارت کرنا۔ اپنے مقتدیوں کو تجارت کا شوق دلاؤ۔ البتہ تجارت کیلئے امانت و دیانت، خوش اخلاقی، پاکبازی، محنت،

خوش معاملگی اور لین دین میں صفائی ضروری ہے۔ بدول ان کے کامیاب ہونا ناممکن

ہے۔

ہر کام میں کامیاب ہونے کے لئے

محنت کرو، محنت کرو، کہ ہے محنت درکارا

# امام کی صنعت

غافل متشیں نہ وقت بازی سست  
وقت ہمزاست و کار سازی سست !

امام کو ہر ذل عزیز بننے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ماہر فن ہو، باہمز ہو، ہر فرد و بشر کو اس کی ضرورت ہو۔ اس کا وجود کسی نہ کسی طرح سب کے لئے نامدہ بخش ہو۔ اور وہ خود متے الوسع و دوسروں سے مستغنی ہو۔ اور اپنی معاش کے لئے کوئی شریعت پیشہ رکھتا ہو۔ علمی، ادبی، اخلاقی، اور اقتصادی حالت میں اپنے زیر اثر حلقہ میں سب سے ممتاز ہو۔ قیادت کا پورا پورا اہل ہو۔ سب لوگ اس کی دل و جان سے عزت کریں۔ زبان سے اس کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ اس کے احکام کی برفنا د رعنت تعمیل کریں۔ اور ہر نقل و حرکت میں اس کی تقلید کرنا باعث فخر سمجھیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ خود کسی کا محتاج

دست طلب بہ پیش کسے کردہ دراز

پل بستہ کتر آبِ رشے خویش بگری !

یعنی تو نے اگر طلب کا ہاتھ کسی دوسرے کے آگے دراز کیا تو اپنے آبِ رو

د آبرو سے گذر جانے کے لئے ایک پل تیار کر لیا۔ مطلب یہ کہ سخت کوشش کی

آبرو گوارا نہیں کرتی کہ دوسروں کی امداد سے تعمیل مدعا کرے۔ آسان گیری

کو وہ بے آبروئی سمجھتا ہے۔ اور سخت کوشی و ضبطِ نفس سے کام لے کر حصول

مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی

وہ قوم آج ڈوبے گی، گر کل نہ ڈوبی !

اگر امامِ قدر سے طبابت اور خصوصاً ابتدائی طبی امداد (First Aid) سے

واقف ہوگا۔ اتفاقی حادثات میں لوگوں کی مدد کرنا جانتا ہوگا۔ ناگہانی مصدمات کا

تدارک آتا ہوگا۔ فوری ضروریات کو پورا کر سکتا ہوگا۔ اور دوسروں کے لئے مفید

ہوگا۔ تو اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہوگی۔ اس کے تعلقات وسیع ہونگے

ہر وقت دوسروں کو اس کی حاجت رہے گی۔ وہ خود کشاں کشاں اس کے

پاس آئیں گے۔ اور اسے رشد و ہدایت کا زیادہ موقع ملے گا۔ لہذا ہر امام

کے لئے ضروری ہے کہ وہ فست ایڈ سے پوری طرح واقف ہو۔ تیمارداری

کے قاعدے جانتا ہو۔ اتفاقی حادثات اور ناگہانی واقعات کا تدارک کر سکے

اور اگر اس کے ساتھ تھوڑی سی طبابت اور دوا سازی بھی سیکھ لے۔ تو پھر سونے پر سہاگہ سے امام کیلئے ایک نہایت مختصر سی ڈسپنسری (Dispensary) کا قائم کرنا بھی خالی از قاعدہ نہ ہوگا۔ جس میں ضروری نسخہ جات ہر وقت تیار ہوں اور لوگوں کی ناگہانی ضروریات کو کفایت کر سکیں۔

علامہ ازیں امام کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شریعی تحریر یافتہ از قسم نکاح وغیرہ لکھ سکتا ہو۔ ڈاک اور تار کے غنابلطہ سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔ کاغذات مال کے سمجھنے پر قادر ہو۔ عبور ہو۔ موٹی موٹی دیوانی و نوحداری و نفقات سے واقف ہو۔ غرضیکہ ہر فن مولانا کا مترادف ہو۔ اور دوسروں کا دستِ گزرنہ ہو۔

حقاً کہ باعقوبت دوزخ برابر است

رفتن یہ پائے مردی ہمسا یہ در بہشت

# امام کی تربیت

مجاہدانہ حرارت رہی نہ عوقی میں  
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ است

آئمہ مساجد کے لئے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ علمی استعداد ہے۔ اگر علمی استعداد تسلی بخش ہوگی۔ تو وہ شخص ہر قسم کی ضروریات کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ مطالعہ کتب سے مدد لے سکتا ہے۔ رسالوں اور اخباروں کے مطالعہ سے مدد لے سکتا ہے۔ مذہبی اصولوں کی اہمیت کو خود سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ سیاسی حالات پر تبصرہ کر سکتا ہے۔ قوم کی ترقی و تہذیب کے اسباب پر بحث کر سکتا ہے۔ اور کچھ عرصے کی جدوجہد کے بعد اپنے فن کا پورا پورا ماہر بن سکتا ہے۔ مگر برخلاف اس کے اگر علمی استعداد ہی کم ہوگی۔ تو کلہ زمین کی طرح وہاں کوئی چیز نہیں اُگ سکتی۔ اور ایسی زمین میں خواہ مخواہ بیج ڈال کر اس کا ضائع کرنا دالہ شتمندی کے خلاف ہے۔ آئمہ مساجد کے لئے دوسری ضروری چیز مطالعہ کتب کی عادت ہے۔

”علم بہ بحث مال بہ تجارت“ علمی استعداد کوئی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا مطالعہ سے جس قدر چاہیں اپنی استعداد بڑھا سکتے ہیں مگر جنہیں علم سے محبت نہیں۔ مطالعہ کی عادت نہیں۔ وہ قدرتی طور پر علم سے متنفر، اہل علم کے دشمن، علماء کی صحبت سے بیزار اور جہلاء کی صحبت کے عادی ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ کہ اہل علمان کی امامت سے بیزار ہو کر ان کے ساتھ مسجد سے، مسجد کے ساتھ نماز سے، نماز کے ساتھ دیگر ارکان دین سے اور ہوتے ہوئے اسلام سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے امام کے ہونے سے اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے اور ایسے امام سے جس قدر جلدی ہو سکے مسجد کو خالی کرالینا چاہیے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقہان حرم لے توفیق!

دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے پیشے ہیں سب کے لئے کہیں نہ کہیں ٹرننگ سٹیٹ بنے ہوئے ہیں۔ کلرک سے لیکر انسر انچارج تک، پیواری سے لے کر افسر ماں تک، ٹیچر سے لے کر پرنسپل تک، اور سپاہی سے لے کر جرنیل تک غرضیکہ کوئی اہلکار اپنے اپنے کام کا پورا پورا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ جب تک کہ وہ اپنے محکمہ سے باقاعدہ ٹرننگ لے کر کامیابی کا سارٹیفکیٹ حاصل نہ کرے۔ اور محکمہ مذکورہ کے بڑے بڑے ماہرین اس کی قابلیت پر صاوانہ کریں۔

مگر امامت کے حیل القدر منصب کی باگ ڈور ایک اناڑی، جاہل اور کندہ ناتراش کے

ہاتھوں میں وسے دینا اور پھر اسے روز قوم کی گری ہوئی حالت کے رونے و فغان اور  
 قومی اصلاح کے لئے العطش العطش کی پکار کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے۔ امام مسجد  
 جو دراصل اپنی قوم کا سچا ریفارمر ہے۔ مذہبی پیشوا ہے۔ سیاسی لیڈر ہے۔ معلم  
 ہے اور ادیب ہے۔ جب تک باقاعدہ اس کی ٹریننگ نہ کی جائے۔ اسکی قومیت  
 کے لئے ایک بہترین نصاب تیار نہ کیا جائے۔ اسے ہر قسم کے ضروری مہتمیادوں سے  
 منہج نہ کیا جائے اس وقت تک قومی اصلاح کے لئے کوشش کرنا ہوا پر گروہ  
 لگانے کا حکم رکھتا ہے۔

مثال ماہ چمکتا تھا جن کا داغِ سجد

خرید لی ہے فرنگی نے وہ مُسلمانی!

پس حکومتِ پاکستان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آئندہ مساجد کی اصلاح کیلئے ایک مستقل  
 ادارہ قائم کریں۔ خاص قابلیت کے اصحاب اس جلیل القدر منصب کیلئے انتخاب کئے جائیں۔ جگہ  
 بجگہ ان کیلئے ٹریننگ سنٹر بنائے جائیں۔ ماہر فن اساتذہ کی زیر نگرانی ان کو ٹریننگ دی جائے  
 بعد میں انکی قابلیت کا باقاعدہ امتحان لیا جائے اور کامیاب اصحاب کو امامت کی سند دیکر  
 فارغ کر دیا جاسکے۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل اصحاب کو اس عہدہ جلیلہ پر مقرر کیا  
 جاسکے۔ تو اس طرح قوم کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ ذکرِ شہی یہ مراتب یہ سرور

تیری خودی کے نگہیاں نہیں تو کچھ بھی نہیں!



# امام کی ضروریات

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فروغ کہ تو !  
کتاب خوالا ہے، مگر صاحب کتاب نہیں!

ہر ایک پیشہ دراپنی اپنی ضروریات کی چیزیں ہر وقت اپنے پاس موجود رکھتا ہے۔ سپاہی اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کر لیتا ہے۔ تب میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوتا ہے۔ طالب علم اپنی تمام ضروریات کی چیزیں بستہ میں رکھ لیتا ہے۔ تب مدرسے کی راہ لیتا ہے۔ جس طرح ایک بہترین طبیب اپنے استعمال کی تمام کتب ہر وقت اپنے مطب میں موجود رکھتا تھا۔ اسی طرح ایک ماہر امام بھی اپنی ضروریات کی تمام کتب ہر وقت اپنے پاس موجود رکھتا ہے۔ سو اس کے لئے ہر ایک مسجد میں ایک مختصر سا کتب خانہ قائم کرنا اشد ضروری ہے۔ خواہ وہ کتب خانہ امام مسجد خود تیار کرے خواہ مسجد کے مشترکہ فنڈ اور معتدلوں کی مدد سے تیار کر لیا جائے۔ یہ کتب خانہ مسجد میں یا مسجد سے ملحقہ مکان یا امام کے حجرہ میں ہونا چاہئے۔ جہاں امام بوقت ضرورت ہر قسم کے مسائل دیکھ سکے اور معتدلوں کی تمام ضروریات پوری کر سکے۔

امام مسجد کے کتب خانہ میں کم از کم حسب ذیل کتب کا ہر وقت موجود رہنا  
اشد ضروری ہے۔ جو معمولی قابلیت کے امام کی پیش آمد، ضروریات کو بطریق احسن  
پیدا کر سکیں گی۔

۱۔ خطباتِ پندرہ۔ جو زمانہ حاضرہ کے مسلمانوں کی تمام ضروریات کو پیش نظر  
رکھتے ہوئے نہایت عام فہم، دلچسپ اور مسلسل اور زبان میں خاص ترتیب  
سے مرتب کئے گئے ہیں۔ تمام خطبات تراسی مسائل سے میرا اور دیہاتی و شہری  
تمام مسلمانوں کی جملہ ضروریات پر حاوی ہیں۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی، مذہبی اور  
سیاسی و اقتصادی اصلاح کا مکمل نصاب ہیں۔ ہر ایک خطبہ اپنے اپنے موقع و محل  
کے مطابق ایسی حکمت عملی سے تیار کیا گیا ہے۔ کہ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا  
ہے۔ کہ ابھی تیار کیا گیا ہے۔ معمولی سے معمولی قابلیت کا امام بھی حسب استعداد  
اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۲۔ العقائد۔ النسخی دلی و دماغ میں مذہب اسلام کا صحیح تصور پیدا کرنے  
کے لئے تمام ضروری عقائد اسلام کو یکجا فراہم کر کے کتاب ہذا کے مختلف ابواب  
میں بہترین ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک بات کو عقلی و نقلی دلائل سے

۱۔ یہ تمام کتب مولفہ مولوی بدرالدین صاحب تدریس جالندھری شیخ غلام علی اینڈ سنز کتب منزل تیار  
کتب لاہور سے آئمہ مساجد کو مناسب کمیشن پر اور دوسرے لوگوں کو اصل قیمت پر مل سکتی ہیں۔ یہاں  
ہر ایک شہر کے مشہور تاجر کتب کی بھرپور خدمت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس طرح ثابت کیا گیا ہے کہ پڑھتے ہی صفحہ دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ طرزِ بیان سادہ مگر دلکش ہے۔

۴۔ الارکان۔ اسلامی عمارات کی تمام بنیادوں اور اس کے در و دیوار کی تکمیل کے لئے تمام ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے متعلقہ مسائل کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں بہترین ترتیب سے مرتب کئے گئے ہیں۔ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ طلباء کے مذاق سے موافقت پیدا کرنے کیلئے تمام مسائل کی فلاسفی ساتھ ساتھ ایسے مؤثر انداز میں لکھی گئی ہے جو پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ طرزِ بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔

۵۔ الاخلاق۔ اسلامی عمارت کی چھت کی تکمیل کے لئے اور مسلمانوں کی ادبی۔ اخلاقی اصلاح، تمام اسلامی آداب و اخلاق کو کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں مؤثرانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ طرزِ بیان ایسا دلکش اور مؤثر ہے کہ اس کے مطالعہ سے دل نہیں اُگتا تا۔ اور ساتھ ساتھ ہر ایک چیز صفحہ دل پر نقش ہوتی جاتی ہے۔

۶۔ الروحانیت۔ اسلامی عمارت کو رنگ و روغن کر لے اور اسے ہر قسم کے سامانِ آرائش و زیبائش سے آراستہ کرنے کے لئے اسلام کے تمام ضروری روحانی مسائل کو کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں خاص طریق سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور انسان کی روحانی اصلاح کے تمام لوازمات کے علاوہ معرفت

اللہی کا صحیح راہ دکھایا گیا ہے۔

۵۔ الانبیاء، الصحابہ والاویاء وغیرہ دیگر کتب کا بھی ائمہ مساجد کے کتب خانہ میں موجود ہونا ضروری ہے۔ جن سے بوقت ضرورت کافی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۶۔ علاوہ ان کے قرآن مجید۔ بہترین تفسیر قرآن۔ بخاری شریف یا اس کا اردو ترجمہ۔ تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی اقتصادی و سیاسی ضروریات کیلئے بھی مختلف کتب کا ہینا کر کمپیوٹر ناخالصی از فائدہ نہ ہوگا۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ تسلیم کا ہے  
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کا رگڑ!

## امام کا مدرسہ

شرکانت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے  
 سبقِ شائین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا!  
 ہندوستان کی مساجد کسی زمانے میں بہترین مکتب سمجھی جاتی تھیں جن میں  
 تمام شرفاء کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ اوزان میں وہ تعلیم ہوتی تھی جس سے  
 ہمارے طلبہ سرسید، شبلی، حالی، محمد علی اور اقبال بن کر نکلتے تھے۔ اردو ہاں  
 کے امام یا معلم کی نہ صرف طلباء بلکہ روسا و امراء اور محلہ و شہر میں وہ عزت  
 ہوتی تھی۔ بوج کسی کالج کے پرنسپل کو بھی نصیب نہیں۔ وہ رعب تھا کہ طلباء  
 گھروں میں بیٹھے ان کے نام سن کر لرزتے تھے۔ وہ ادب تھا کہ بڑے بڑے اکابر  
 انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور عمر بھر ان کا نام ادب سے لینے رہتے  
 تھے۔ وہ صرف تعلیم کا ہی نہیں بلکہ بچوں کی تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے۔ یہاں  
 کہیں ہوتے تھے۔ امام صاحب کی چشمِ عتاب کا تصور انہیں شرارت و برائی سے  
 روکے رکھتا تھا۔ غرضیکہ مسجد کی تربیت اور صحن مسجد کی تعلیم ان میں اذمانیت :-

اخلاق کے تمام جوہر پیدا کر دیتی تھی۔ اور حیب یہ تعلیم سے فارغ ہوتے تھے تو ایک عوش اخلاق انسان اور مؤتب نمازی کی صورت میں دنیا کے سامنے آتے تھے۔ اور اپنی عملی زندگی میں جو کامیابی حاصل کرتے تھے۔ تمام دنیا ان پر رشک کرتی تھی۔ جس طرح علمی و مجلسی سوسائٹیوں میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح معاشرتی و تمدنی دنیا میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر اب

نکو کاری کے پردے میں گناہ کاری کے جلوے میں

مقدس بارگاہوں میں ریا کاری کے جلوے میں

مساجد کے ان مکاتب میں قرآن کریم و احادیث نبوی کے علاوہ فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی اور تاریخ وغیرہ تمام علوم متداولہ کی تعلیم کا بہترین انتظام تھا۔ مسلمان تو درکنار ہزاروں غیر مسلم بھی ان اسلامی درسگاہوں کے مرہونِ منت ہوتے تھے۔ مگر برخلاف اس کے آج "گر ہمیں کتب و ہمیں ملا" کا رطفِ لال تمام خواہ شد "والا معاملہ ہے۔ غیر مسلم تو درکنار مسلمانوں کے لئے بھی وہ مکاتب تنگ قوم کا باعث بن رہے ہیں۔ یا تو وہاں درس و تدریس کا کوئی انتظام ہی نہیں اور اگر ہے۔ تو قاعدہ بغدادی، السمر اور زیادہ سے زیادہ ناظر۔ قرآن خوانی تک ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام ہے تو وہ بھی ادھورا ہے۔ اور وہاں کا ماحول ایسا زہریلا ہے کہ جو طالب علم

وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ وہ اس زہریلے ماحول سے متاثر ہو کر  
فدوی، ہٹ دھرم، متعصب اور نراملی مسالوں کے مبلغ بن کر اپنی ساری  
قوت اتحادی کی دھجیاں بکھیرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ اور قوم کے لئے خسار الدنیا  
والآخرہ کے مصداق بنتے ہیں۔

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کورِ ذوقِ اتنا

صبا سے بھی نہ ملا، تجھ کو بوئے گل کا سرخ!

اگر ان تمام امور کے علل و اسباب پر غور کیا جائے۔ تو اس کی زیادہ تر  
ذمہ داری ائمہ مساجد پر عائد ہوتی ہے۔ اول تو وہ خود بہترین معلم بننے کے اہل  
ہی نہیں۔ اور اگر ہیں۔ تو اس قابل نہیں کہ وہ اپنے طلباء کے لئے ایسا بہترین  
نصاب تجویز کر سکیں جو مسلمانوں کی تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کے علاوہ قوم  
کے اجتماعی مفاد کا بھی حامل ہو سکے۔ لہذا پاکستان اور ہندوستانی مساجد کی  
درسگاہوں میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے مندرجہ ذیل مختصر مگر مکمل تعلیمی  
نصاب نہایت مناسب ہے۔ اور مبتدیوں و سکولوں کے تعلیم یافتہ طلباء کی مذہبی  
مجلسی تعلیم کے لئے کافی ہے۔ جو علاوہ مذہبی و اخلاقی تعلیم کے ادبی تعلیم کا بھی  
مال ہے۔ اسباق کے شروع میں مشکل الفاظ کی تشریح اور بعد میں دُورانے کیلئے  
امتحانی سوالات دئے گئے ہیں۔ اس نصاب کی ایک مختصر سی لائبریری ہر ایک  
مسجد میں ہر وقت موجود ہے۔ اور طلباء مسجد میں سبقاً سبقاً پڑھنے کے علاوہ گھر پر

بھی اس کا مطالعہ کریں۔ یہ تمام کتب مولفہ مولیٰ بدر الدین صاحبہ بدر جانتہ صری  
خارج کمیٹی اور پبلشر کے مشورہ و تاجیر کتب سے مل سکتی ہیں

## بچوں کیلئے دینیات کا نیا نصاب

۱۔ مفتاح القرآن۔ تلاوت قرآن کریم سکھانے کے لئے ایک مختصر  
کمن قاعدہ ہے۔ جسے مبتدی استاد کی مدد سے ایک ماہ میں اور اردو پڑھا ہوا شخص  
بغیر استاد کی مدد سے ایک ہفتہ میں مطالعہ کر کے صحیح قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔  
۲۔ سلسلہ عقائد اسلام المعروف بہ الایمان، الاسلام۔ التوحید۔ الایمان  
القرآن، الاعمال اور الاخرت وغیرہ سات حصص میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم  
کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ سلسلہ ارکان اسلام المعروف بہ الاذان، الطہارت، الصلوٰۃ، الحج  
الصوم، الزکوٰۃ اور الحج وغیرہ سات حصص میں تعلیم الارکان کیلئے تیار کیا گیا ہے۔  
۴۔ سلسلہ اخلاق اسلام المعروف بہ الآداب، المحقوق، الاوصاف  
العبادات، الاخلاق، الاصلاح اور اللسان وغیرہ سات حصص میں مسلمانوں  
کی ادبی، اخلاقی و روحانی حالتوں کی اصلاح کے لئے تیار کیا گیا ہے۔



# امام کا روزانہ پرگرام

یاد دے اُلفتِ اغیار میں

کشتیِ اسلام سے منجد عمار میں

ہمتوں کا جوش کا ایسان کا

عج سے نیلام ہے بازار میں!

دنیا میں ہر قسم کی کامیابی باقاعدگی سے اور ہر قسم کی باقاعدگی پابندی  
اوقات سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ کوئی شخص بھی بدوں انضباط اوقات  
اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا رہنمایان قوم کے لئے عموماً اور  
اکبر مساجد کے لئے خصوصاً اس بات کا اہتمام کرنا نہ صرف ضروری بلکہ لازمی  
ہے۔ اور انہیں اپنے تمام فرائض منجبتی اور اوقاتِ یومیہ کو ایسی خوش سلوپی  
اور عمدگی سے ترتیب دینا چاہیے۔ کہ عامۃ الناس ان کی تقلید کرنا باعث  
فخر سمجھیں۔ اور ان کا مجوزہ پروگرام عوام الناس کے لئے عمدہ نمونہ کا کام ہے۔  
جب مجوزہ پروگرام مرتب کر لیا جائے۔ تو اس پر کار بند رہنا اور اسے

معترض عمل میں لانا انسان کے استقلال پر منحصر ہے۔ جب تک انسان اپنے حقیقی مقصد کو ہر وقت پیش نظر نہ رکھے۔ اور اپنی تمام نقل و حرکت کو اسی مقصد و حمید کی تحصیل کے لئے آگے نہ بٹائے اور اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو اس پر وقف نہ کرے۔ اس وقت تک ہر مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔

پس دنیا میں نے آئمہ مساجد کی رہنمائی کے لئے ان کے روزانہ اوقات کی تقسیم کا ایک مختصر سا خاکہ تجویز کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ایک امام مسجد اسیے اپنا دستور العمل بنائے۔ بلکہ ہر ایک شخص اپنے اپنے حالات کا موازنہ کر کے اس میں مناسب تبدیلی عمل میں لاسکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے لئے وہ خود ایک مفصل پروگرام تیار کر سکتا ہے۔ اور اسی کو اپنا دستور العمل بنا سکتا ہے۔ البتہ اپنے تجویز کردہ پروگرام کو بھی عملی جامہ پہنانا کوئی آسان کام نہیں۔ بلکہ کاروبار والا معاملہ ہے۔ جو شخص اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کی پابندی نہیں کر سکتا۔ اور آئینی حکومت پر کاربند نہیں ہو سکتا۔ اس کا امام بننا تو درکنار وہ ایک متمددن انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

پس ایک بہترین امام مسجد کے لئے اس کے روزانہ پروگرام کا ہر سہری خاکہ حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ حوائج ضروریہ سے فراغت۔ ۲۔ فجر کی نماز، نمازوں سے چند
- تین۔ ۳۔ درس قرآن۔ بچوں کی تعلیم و تربیت۔ ۴۔ محلہ یا گاؤں کا فوریہ
- نجر کے غیر حاضرین کو نماز کی تاکید اور بیماریوں کی دیکھ بھال وغیرہ۔ ۵۔ کھانا
- رام۔ ۶۔ مطالعہ کتب و اخبار مینی اور اپنا کاروبار۔
- ۷۔ ظہر کی نماز اور اپنا کاروبار۔
- ۸۔ عصر کی نماز اور اپنا کاروبار۔
- ۹۔ مغرب کی نماز۔ کھانا و سیر و تفریح۔
- ۱۰۔ نماز عشاء۔ نمازیوں سے چند باتیں۔

# امام کا سالانہ پروگرام

تم نہیں جانتے قرآن کیا ہے  
 تم نہیں جانتے ایمان کیا ہے  
 معجزوں کو تو استادِ بحیثی سے  
 یہ بھی سمجھے کہ مسلمان کیا ہے!

چونکہ آئمہ مساجد کے لئے اپنی ذاتی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے علاوہ اپنے  
 مقتدیوں کی اجتماعی حالت کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ ان کی اجتماعی ذراپیا  
 کی ساری ذمہ داری امام مسجد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ لہذا ان کی اصلاح کا  
 سارا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر ہے۔ بہترین امام مسجد کے لئے یہ ضروری  
 ہے کہ جس طرح اسے اپنی حالت کا ہر وقت جائزہ لینا چاہیے۔ اسی طرح  
 اسے اپنے مقتدیوں اور زیر اثر طبقے کے لوگوں کی اجتماعی حالت کا بھی موازنہ  
 کرنا چاہیے۔ اور ان کی اجتماعی کمزوریوں کی تشخیص کر کے ان کی اصلاح اور  
 دین متین کی نشر و تبلیغ کے لئے ایک مستقل پروگرام مرتب کرے۔

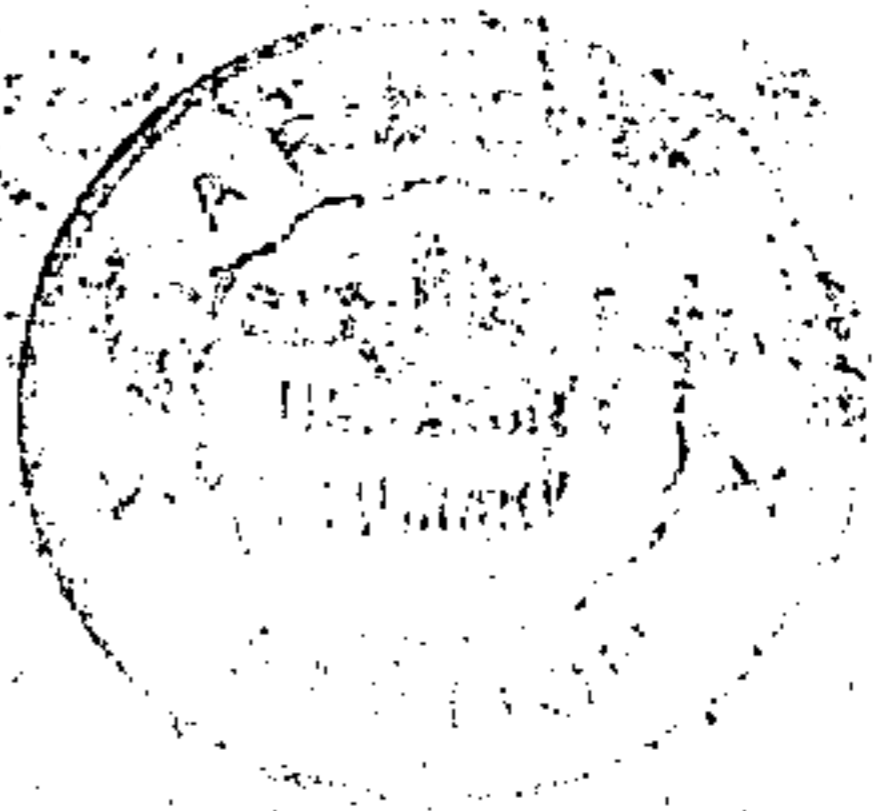
امام مسجد کے ذمہ چونکہ بے شمار فرائض منصبی ہیں۔ اور وہ ایک ہی وقت میں تمام ضروری امور پر کماحقہ توجہ نہیں دے سکتا۔ اور جب تک کسی چیز پر پوری پوری توجہ نہ دی جائے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں پر پورا پورا غور نہ کیا جائے۔ اس کی تمام جزئیات پر نظر نہ دوڑائی جائے۔ اس وقت تک کوئی مقصد پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہذا بہترین امام مسجد کے لئے ضروری ہے کہ اپنے روزانہ دستور العمل کی طرح اپنی تمام ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھ کر ایک سالانہ پروگرام بھی مرتب کرے۔ اور اپنے اس تیار کردہ تعمیراتی پروگرام کے ایک ایک شعبہ کی تفصیلات پر غور کرے اور تمام اصلاحی ضروریات کو اپنے اپنے وقت پر ایک ایک کر کے معرض عمل میں لائے۔ اور سب کو ایک ایک کر کے ان کے وقت مقررہ پر اس طرح پایہ تکمیل کو پہنچائے۔ کہ کسی معاملے کا کوئی ایک پہلو بھی اس کی نظر میں سے اذھل نہ ہونے پائے۔

بہترین امام مسجد کے سالانہ پروگرام کا ایک مختصر سا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے :-

ہر ایک امام مسجد اپنے اپنے مقامی حالات اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر اس میں مناسب تبدیلی کرے۔ اور ایک کھل دستور العمل اپنے لئے تیار کرے۔

|                          |                          |                        |
|--------------------------|--------------------------|------------------------|
| ربیع الاول               | منقر                     | محرم                   |
| میلاد النبی              | اتحاد و ایثار            | ذکر شہادت              |
| سیرت رسول                | قومی تنظیم               | فلسفہ شہادت            |
| جمادی الثانی             | جمادی الاول              | ربیع الثانی            |
| مسلمانوں کی روحانی اصلاح | مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح | مسلمانوں کی ادبی اصلاح |
| رمضان                    | شعبان                    | رجب                    |
| نماز، روزہ، لیلة القدر   | شب براءت                 | سراج النبی             |
| مردت القرآن              | اقتصادی اصلاح            | سیاسی اصلاح            |
| ذی الحجہ                 | ذی القعدہ                | شوال                   |
| عید الفطحہ               | اسلامی تقریبات           | عید الفطر              |
| حج                       | اصلاح اسلام              | زکوٰۃ                  |



# خطبات بدر

مؤلفہ مولوی بدر الدین صاحب بدر خاں لدھیانوی

جو زمانہ حاضرہ کے مسلمانوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت دلچسپ، عام فہم اور مسلسل اردو زبان میں خاص ترتیب سے مرتب کئے گئے ہیں۔ تمام خطبات نزاعی مسائل سے میرا، اور شہری و دیہاتی جملہ مسلمانوں کی مشترکہ ضروریات پر عادی ہیں۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی، مذہبی و سیاسی، اور اقتصادی و معاشرتی اصلاح کا مکمل نصاب ہے، ہر ایک خطبہ اپنے اپنے موقع و محل کے مطابق ایسی حکمت عملی سے تیار کیا گیا ہے کہ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی تیار کیا گیا ہے۔ معمولی سے معمولی قابلیت کا نام بھی حسب استعداد ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت فی جلد مجلد للعبہ

ملنگا کاپتہ۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار۔ لاہور

# ہماری اسلامی مہربانیاں

دو قرآن - مصنفہ ڈاکٹر فلام حبیبانی  
 برق - موجودہ ایجادات اور سائنسی  
 تحقیقات کا تعلیماتہ قرآن سے تطابق

پانچواں ایڈیشن ہے  
 تحلیل نفسی - مصنفہ حزیب اللہ ایم ای  
 انسان کے ذہنی فلسفہ اور ان کا تجزیہ  
 بنیادی تحقیقی تکنیکی کتاب قیمت مجلد نمبر

موازنہ صلیب و پلاں - از  
 محبت شاہجہان پوری اسلام و سیاست کے تمدنی

سیاسی اور علمی عروج و زوال کی تاریخ قیمت غیر  
 قرآنی اخلاق - مرتبہ پروفیسر عبدالصمد صاحب  
 قرآن مجید سے اخلاق کے متعلق آیات کا مجموعہ اور

انکی تشریح، لاجواب اصلاحی تصنیف قیمت غیر

اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام

از محبت شاہجہان پوری - قرآن مجید کی صرف ایک  
 آیت کی تفسیر جس میں یورپ کے موجودہ نظام حکومت  
 کو مد نظر رکھ کر مزاجوں اور قوم کے مقابلہ میں اسلام کا

نظام حکومت پیش کیا گیا ہے قیمت مجلد نمبر  
 اسلام کے عالمگیر اصول - علامہ

فرید وجدی مصری کی شہرہ آفاق کتاب کا  
 ترجمہ جو ایک تاریخی روڈاد کا درجہ رکھتی ہے  
 قیمت مجلد نمبر

مقالات قرآنی مرتبہ علامہ عبدالقادر العبادی  
 قبل طہور اسلام کے اہم تاریخی واقعات قرآن مجید کے

اشارات اور ان کی وجہ تسمیہ  
 قیمت مجلد نمبر

کتاب منزل کتبیری بازار - لاہور





وَالرَّكْعَاتِ مَعَ الرَّائِعِينَ

.....

اسلام میں

10

امامت کا تصور

از

مولوی بدر الدین صاحب بدر جالتدہری

ناشران

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب

لاہور  
BALNAGAR